معارف

اکتوبر ۲۰۱۷ء

مجلس دارالمصنّفین کا ماہوار علمی رسالہ

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ

سالانہ زرتعاون

ہندوستان میں سالانہ ۲۸۰/روپے۔ فی شمارہ ۲۵/روپے۔ رجسٹرڈ ڈاک ۴۸۴/روپے

دیگر ممالک میں سادہ ڈاک ۱۶۶۰/روپے۔ دیگر ممالک رجسٹرڈ ڈاک ۱۷۸۰/روپے

ہندوستان میں ۵ سال کی خریداری صرف ۱۳۰۰/روپے میں دستیاب۔

پاکستان میں ماہنامہ معارف کے لئے رابطہ کریں

HAFIZ SAJJAD ELAHI

196 - AHMAD BLOCK, NEW GARDEN TOWN

LAHORE (PUNJAB) PAKISTAN

Tel: 0300 - 4682752, (R) 5863609, (O) 7280916

Email: abdulhadi_133@yahoo.com

سالانہ چندہ کی رقم منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ کے ذریعہ بھیجیں۔ بینک ڈرافٹ درج ذیل نام سے بنوائیں۔

DARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY, AZAMGARH

- زرتعاون ختم ہونے پر تین ماہ کے بعد رسالہ بند کردیا جائے گا۔
- معارف کا زرتعاون وقت مقررہ پر روانہ فرمائیں۔
- خط و کتابت کرتے وقت رسالہ کے لفافے پر درج خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔
- معارف کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں کی خریداری پر دی جائے گی۔
- کمیشن ۲۵ فیصد ہوگا۔ رقم پیشگی آنی چاہئے۔

Email: shibli_academy@rediffmail.com, info@shibliacademy.org

Website: www.shibliacademy.org

Bank Name: Punjab National Bank - Heerapatti, Azamgarh

Account No: 4761005500000051 - IFSC No: PUNB0476100

✆ **(Office Mobile) 09170060782**

عبدالمنان ہلالی (جوائنٹ سکریٹری رمینجر) نے معارف پریس میں چھپواکر

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی کا علمی و دینی ماہنامہ

معارف

جلد نمبر ۲۰۰ ماہ محرم الحرام ۱۴۳۹ھ مطابق ماہ اکتوبر ۲۰۱۷ء عدد ۴

مجلس ادارت

مولانا سید محمد رابع ندوی
لکھنؤ

پروفیسر ریاض الرحمن خاں شروانی
علی گڑھ

(مرتبہ)
اشتیاق احمد ظلی
محمد عمیر الصدیق ندوی

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی
پوسٹ بکس نمبر: ۱۹
شبلی روڈ، اعظم گڑھ (یوپی)
پن کوڈ: ۲۷۶۰۰۱

فہرست مضامین

شذرات ۲۴۲
اشتیاق احمد ظلی

مقالات
شبلی کا رسالہ سیرت ۲۴۵
ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی

''دیوان غالب جدید المعروف بہ نسخۂ حمیدیہ'' (ایک تعارف) ۲۶۵
پروفیسر آفاق حسین صدیقی

تاریخ افواج بھوپال المعروف بہ تاریخ سلطانیہ انفنٹری (قلمی) مختصر تعارف ۲۷۲
جناب انوار صمدانی امروہوی

اخبار علمیہ ۲۸۰
ک، ص اصلاحی

باب التقریظ والانتقاد
عربی مخطوطات اور کتابیات کے لیے ڈاکٹر احمد خان کی خدمات ۲۸۳
ڈاکٹر عارف نوشاہی

آثار علمیہ و تاریخیہ
سرسید کی ایک نادر عربی تحریر ۳۰۵
بسلسلۂ سفر روم و مصر و شام مولانا شبلی نعمانی
کلیم صفات اصلاحی

معارف کی ڈاک
غالب کے نسخۂ حمیدیہ کے بیان میں تسامحات ۳۱۲
ڈاکٹر سید احتشام ندوی

ادبیات
تاثرات زائر ارض حرم ۳۱۸
جناب وارث ریاضی

مطبوعات جدیدہ ۳۱۹
ع۔ص

رسید کتب موصولہ ۳۲۰

شذرات

سرسید نے جس معاشرہ میں آنکھیں کھولیں وہ زوال وانحطاط کے اس مرحلہ میں داخل ہو چکا تھا جہاں سے واپسی اگر یکسر ناممکن نہیں تو سخت مشکل ضرور ہوتی ہے اور بالعموم اس کا انجام مکمل تباہی اور بربادی کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ ان کے دادیہال اور نانہال دونوں کا تعلق مغل دربار سے تھا جہاں سے انہیں جوادالدولہ عارف جنگ کا خطاب بھی ملا تھا۔ لیکن سرسید نے اس پامال راستہ پر چلنے کے بجائے اپنے لیے راستہ اور منزل کا تعین خود کیا جو ان حالات میں کوئی معمولی کام نہیں تھا اور جس کے لیے غیر معمولی بصیرت، عزم اور حوصلہ کی ضرورت تھی۔ مبدافیض کی طرف سے ان کو دل ودماغ کی جو غیر معمولی صلاحیتیں ودیعت ہوئی تھیں ان کی جولانیوں کے لیے ایک جہانِ تازہ کی ضرورت تھی جس کی تخلیق خود ان کی اپنی کاوشوں کی رہین منت تھی۔

ازاں کہ پیروی خلق گمرہی آرد نمی رویم برا ہے کہ کارواں رفتست

وہ طوفان جس نے ہندوستان کو زیروزبر کردیا اور خاص طور سے یہاں کے مسلمانوں کے لیے قیامت صغریٰ سے کم نہ تھا، ہنوز مستقبل کے پردے میں پوشیدہ تھا۔ ان کی زندگی کا ابتدائی زمانہ طوفان سے پہلے کے سکوت کا زمانہ تھا لیکن سرسید جیسے اہل نظر وقت کے بدلتے ہوئے تیور کو دیکھ کر اس امڈتے، بپھرتے ہوئے طوفان کی آہٹ محسوس کرسکتے تھے۔ اگر ۱۸۵۷ء سے پہلے کی ان کی زندگی کا بغور مطالعہ کیا جائے تو صاف محسوس ہوتا ہے کہ وہ دراصل بعد میں پیش آنے والے حالات سے عہدہ برا ہونے کے لیے تیاری کا مرحلہ تھا۔ قدرت جن شخصیات کو کسی بڑے کام کے لیے منتخب کرتی ہے انہیں اسی طرح تعلیم وتربیت کے مراحل سے گذارتی ہے تاکہ جب وقت آئے تو ناکامی ان کا مقدر نہ بنے اور وہ اس امتحان سے سرخ رو نکلیں۔

فیض روح القدس گر باز مدد فرماید دیگراں ہم بکنند انچہ مسیحا می کرد

واقعہ یہ ہے کہ ۱۸۵۷ء کی ہمہ گیر بربادی اور تباہی کے بعد انہوں نے ملک وقوم کی جس طرح مسیحائی کی وہ جدید ہندوستان کی تاریخ کا ایک نہایت روشن باب ہے۔ یہ روح پرور داستان لوحِ ایام پر اس طرح رقم ہے کہ کوئی بھی اس سے نظریں نہیں چرا سکتا۔ سرسید اور ان کی تحریک نہ ہوتی تو

آج برصغیر کے مسلمانوں کی صورت حال کیا ہوتی اس کا اندازہ لگانا بھی آسان نہیں۔

علامہ شبلی سرسید سے چالیس سال چھوٹے تھے لیکن ان کا شمار سرسید کے نامور رفقاء میں ہوتا ہے۔ کالج کے منتخب روزگار اساتذہ میں سرسید کے رفقاء میں شامل ہونے کا اعزاز صرف علامہ شبلی کو حاصل ہے۔ علامہ شبلی علی گڑھ میں پروفیسر تھے لیکن وہاں انہوں نے طالب علمانہ زندگی گذاری۔ اس میں شبہہ نہیں کہ انہوں نے علی گڑھ سے بہت کچھ اخذ و استفادہ کیا۔ ساتھ ہی علی گڑھ تحریک کے لیے ان کی خدمات غیر معمولی اہمیت کی حامل ہیں۔ ان کی تحقیقات اور تصنیفات کالج کی شہرت اور نیک نامی کا ذریعہ بنیں اور اس کا آوازہ ملک کے باہر دور دور تک پہنچا۔ ایک سے زیادہ بار خود سرسید نے اس کا اعتراف کیا۔ مثنوی صبح امید کے علاوہ بھی ان کے قصائد اور نظموں میں سرسید، علی گڑھ تحریک اور کالج کی جیسی دلآویز اور موثر تصویر کشی کی گئی ہے اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ بدقسمتی سے علامہ شبلی کی زندگی کے اس پہلو کا اس طرح مطالعہ نہیں کیا گیا جو اس کا حق تھا۔ سرسید سے ان کی مفروضہ مخالفت کا افسانہ اتنی بار اور اتنے مختلف انداز میں دہرایا گیا کہ بہت سے لوگوں نے اسے حقیقت سمجھ لیا۔ حیرت کی بات ہے کہ مخالفت اور اختلاف رائے میں فرق ملحوظ نہیں رکھا گیا اور علمی سطح پر سرسید کی بعض آراء سے اختلاف کو مخالفت پر محمول کیا گیا۔ علمی معاملات میں اختلاف رائے علم و تحقیق کی دنیا کا ایک مسلمہ اصول ہے اور ہماری تاریخ میں اس کی بنیادیں بہت مضبوط ہیں۔ طلبہ نے اپنے جلیل القدر اساتذہ سے علمی اختلاف کیا اور اسے کبھی بھی سوئے ادب پر محمول نہیں کیا گیا۔ اہل نظر اس بات سے واقف ہیں کہ سرسید کے رفقاء میں علامہ شبلی تنہا نہیں تھے جو ان کی بعض آراء اور نظریات سے اتفاق نہیں کرتے تھے۔ خود سرسید نے اپنے نظریات خاص طور سے مذہبی نظریات سے اتفاق کو ذاتی تعلقات کے سلسلہ میں کبھی معیار نہیں بنایا اور نہ کبھی اپنے نظریات کو دوسروں پر مسلط کرنے کے خواہاں رہے۔ ان کے مشن کی تکمیل میں جو لوگ ان کے مددگار تھے ان کو وہ عزیز رکھتے تھے، اگرچہ ان کے بعض نظریات سے ان کو اتفاق نہ رہا ہو۔ سرسید نے علامہ شبلی کو جو مقام و مرتبہ دیا اور ان کی علمی فضیلت کا جس طرح کھلے دل سے اعتراف کیا، وہ سرسید کی عظمت کی بھی دلیل ہے اور علامہ شبلی کی دل و دماغ کی صلاحیتوں کی بھی۔ جب تک سرسید حیات رہے علامہ شبلی کالج سے وابستہ رہے اور اپنی زندگی کے

بہترین ماہ وسال اس کی خدمت میں بسر کیے۔ کالج سے سبک دوشی کے بعد بھی اس سے اور ایجوکیشنل کانفرنس سے ان کا تعلق باقی رہا۔ جب کانفرنس کے پلیٹ فارم سے انجمن ترقی اردو کی تشکیل ہوئی تو اس کے پہلے سکریٹری کی حیثیت سے نظر انتخاب انہی کے اوپر پڑی اور اپنی تمام تر مصروفیات کے باوجود انہوں نے اس ذمہ داری کو قبول کیا اور اس کا پورا حق ادا کیا۔ کالج سے رخصت ہونے کے بعد بھی سال کا کچھ حصہ وہاں گذرانے کا خیال دل میں ہمیشہ موجود رہا گو حالات نے اس کی اجازت نہیں دی۔ شدید مصروفیات اور بیماری کے باوجود جو ہمیشہ ان کی رفیق ودم ساز رہی، وہ کالج کی بہبود اور ترقی کے لیے ہمیشہ کوشاں رہے اور اس کو یونیورسٹی بنانے کی کوششوں میں پوری دلچسپی سے حصہ لیا۔

سرسید ۱۷/اکتوبر ۱۸۱۷ء کو پیدا ہوئے۔ اس طرح ماہ رواں کی ۱۷/تاریخ کو ان کی پیدائش پر دوسو سال پورے ہوجائیں گے۔ اس موقع پر دنیا بھر میں ان کو یاد کیا جارہا ہے اور ملک وملت کے اس محسن کو عقیدت ومحبت کا خراج پیش کیا جارہا ہے۔ اس مناسبت سے ان کے قائم کیے ہوئے کالج کے نقشِ جمیل علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں متعدد سیمینار اور دوسرے پروگرام منعقد کیے جائیں گے اور کئی اہم منصوبے روبہ عمل لائے جائیں گے۔ سرسید کے رفقاء میں صرف علامہ شبلی کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ انہوں نے کئی تعلیمی اور علمی ادارے یادگار چھوڑے ہیں۔ ان میں دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی کو ان کی سب سے اہم علمی یادگار کی حیثیت حاصل ہے۔ اس کے موسس سے سرسید کے گونا گوں مراسم کا بھی اور اس سے بھی زیادہ برصغیر کے مسلمانوں پر ان کے احسانات کا تقاضا تھا کہ دارالمصنّفین میں ان کی عظیم الشان خدمات کو یاد کیا جائے اور انہیں عقیدت ومحبت کا نذرانہ پیش کیا جائے۔ اس مقصد سے ''سرسید کی عصری معنویت'' کے عنوان پر دارالمصنّفین میں ۳۱/اکتوبر اور یکم نومبر کو ایک دوروزہ سیمینار کا انعقاد کیا جارہا ہے۔ اس موقع پر علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ میں شائع ہونے والے ان کے اداریوں کا ایک نہایت وقیع انتخاب ''شذرات سرسید'' کا اجرا بھی عمل میں آئے گا، جسے دارالمصنّفین شائع کررہا ہے۔ یہ انتخاب مشہور سرسید شناس پروفیسر اصغر عباس صاحب نے کیا ہے۔ سرسید شناسی کے میدان میں اس کی حیثیت ایک نہایت اہم اضافہ کی ہوگی۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ سرسید کی تمام غیر مدوّن تحریروں کو مناسب ترتیب وتدوین کے بعد شائع کیا جائے اور اس قیمتی ورثہ سے اہل علم کے استفادہ کی راہ ہموار کی جائے۔

مقالات

شبلی کا رسالہ سیرت

ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی

شبلی صدی تقریبات کا غالباً سب سے نتیجہ خیز و بارآور کارنامہ یہ ہے کہ نئی نئی مطبوعات، تحقیقات اور تدوینات منظر عام پر آرہی ہیں۔ ان میں مولانا شبلی نعمانی کی متعدد اولین و آخرین تصنیفات کی اشاعت ہر لحاظ سے مبارک و بصیرت افزا ہے کہ وہی تو روح رواں و میر کارواں ہیں۔ ان کی شاہکار تصنیف سیرت النبی کی یادگار طباعت کو اولیت و فوقیت بوجوہ حاصل ہے کہ اردو سیرت نگاری میں تحقیق و تجزیہ کی نئی بلند پایہ روایت پڑی سیرت نبوی کا نقش اول مولانا موصوف کا مختصر رسالہ سیرت ''تاریخ بدء الاسلام'' کے رواجی عنوان اور غیر فنی سرنامہ سے اولین دور میں طبع ہوا تھا۔ مدرسۃ العلوم علی گڑھ اور اس کے بانی سرسیدؒ کی ایمائے مبارک اور دینی نصاب کی ایک ضرورت کی تکمیل کافی کی وجہ سے وہ تالیف کیا گیا تھا۔ انیسویں صدی عیسوی کے آٹھویں عشرے کے آغاز ہی میں مولانا شبلی نے اپنی ملازمت کے کچھ عرصہ بعد اسے عربی زبان میں پچاس صفحات میں مرتب کیا۔ رسالہ سیرت کے لیے عربی زبان کا انتخاب بلاشبہ تعلیمی اور نصابی ضرورت تھا۔ شاید اس کو کسی عربی رسالہ سیرت کے متبادل کے طور پر لایا گیا تھا۔ جلد ہی نصابی اور تدریسی تقاضوں کے دباؤ کی بنا پر اس کا ایک فارسی ترجمہ ضروری سمجھا گیا اور اس کام کو مولانا عبدالحمید/حمیدالدین فراہی نے انجام دیا۔ اشارات و تحقیقات اور قرائن بتاتے ہیں کہ فارسی ترجمہ کے لیے مولانا شبلی مصنف رسالہ نے اپنے ماموں زاد اور شاگرد رشید کا انتخاب کیا تھا۔ اس کا ایک اردو ترجمہ علیا حضرت میمونہ سلطان شاہ بانو زوجہ محترمہ نواب حمید الدین خاں بھوپال نے نواب سلطان جہاں کے حکم سے بطور تبرک کیا۔ بیگم میمونہ سلطان نے جہانِ نسواں کی زیادہ ضرورت کی بنا پر اسے ''مسلمان بہنوں'' کے استفادہ کے لیے خاص کیا اور ۱۹۱۵ء میں اسے شائع کیا۔ گذشتہ دو صدیوں

پروفیسر، صدر، ڈائریکٹر (سابق) ادارہ علوم اسلامیہ و شاہ ولی اللہ دہلوی ریسرچ سیل، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ۔

کے ایک ہنگام آفریں سنگم پر پچیس تیس برسوں کے دوران سیرت نبوی پر ایک رسالہ عربی اور اس کے دو تراجم فارسی و اردو کا کارنامہ انجام پایا۔ تصنیف و تالیف سیرت اور فارسی اردو تراجم کا ایک ایسا ہی کارنامہ دو صدی قبل انجام دیا جا چکا تھا اور جس کا سلسلہ بعد میں بھی جاری رہا۔ وہ امام سیرت ابن سید الناس کے عربی متن نور العیون، اس کے قلم شاہ ولی اللہ دہلوی سے فارسی ترجمہ سرور المحزون اور اس کے متعدد اردو تراجم کا واقعہ ہے۔ خاکسار راقم نے اس گذشتہ اور رجحان ساز تالیف و ترجمہ رسالہ سیرت کو اس کے اصل متن عربی، ولی اللّٰہی ترجمہ فارسی اور اپنے اردو ترجمہ کے ساتھ یک جا چھاپ دیا۔ شبلی صدی تقریبات کے ضمن میں اصل عربی رسالہ شبلی، فارسی ترجمہ فراہی اور اردو ترجمہ میمونہ سلطان کی ایک جلد میں یکجائی چشم بصیرت کے لیے آئینہ حیرت بن گئی ہے۔

مولف بدء الاسلام نے از راہ انکسار و دیانت اپنے دیباچہ میں اعتراف کیا ہے کہ وہ چند کتب سیرت کے اقتباسات کا مجموعہ ہے۔ انھوں نے ابوالفداء کے مقبول رسالہ سیرت، ابن اثیر کی الکامل فی التاریخ اور قاضی عیاض کی الشفاء سے اقتباسات لے کر ان کو اپنی زبان میں پرو دیا ہے۔ بلاشبہ شبلی گرامی نے بعض دوسرے مصادر سیرت کے علاوہ اپنے فہم فن اور تبحر علم سے اس کی تالیف و ترتیب میں کام لیا تھا جیسا کہ اصول تدوین ہے۔ مولانا مصنف نے چونکہ اخیر عمر میں سیرۃ النبی جیسا شاہکار تالیف و تصنیف کیا لہٰذا ان کے نقش اول سے اس کا موازنہ و مقارنہ ایک لازمی امر ٹھہرا۔ اس سے مولف سیرۃ النبی کے فنی ارتقاء اور علمی تبحر کے عروج و کمال کا پتہ بھی چلایا جا سکتا ہے اور ان کی تصنیفی کارکردگی میں سیرت نویسی سے شغف کا بھی۔ یہ ایک الگ سے تحقیقی و تجزیاتی کام ہے جس کا سر دست موقع نہیں لیکن ان کے رسالہ کے متن اور فارسی و اردو تراجم سے کچھ اشارات آتے رہیں گے۔ عربی رسالہ شبلی کا راست فارسی ترجمہ فراہی اور فارسی ترجمہ پر مبنی اردو ترجمہ شاہ بانو ایک متن کی دو مختلف یگانہ و جداگانہ تعبیریں ہیں۔ ان تینوں رسالوں کے مرتب گرامی اور ناشر عزیز اور دار المصنّفین کے مدیر شہیر نے اپنے دیباچہ و مقدمہ میں یگانگی و بیگانگی کی چند مثالیں دی ہیں۔ اردو مترجمہ محترمہ نے بعض مقامات پر صرف فارسی ترجمہ پر تکیہ نہیں کیا بلکہ عربی متن و اصل رسالہ سے بھی موازنہ کر کے ترمیم و تنسیخ کا کام بھی کیا ہے۔

ترجمہ کے باب میں یہ اصول مسلمہ و متفقہ ہے کہ وہ اصل متن کا وفادار رہے اور ممکن حد تک اپنے ترجمہ میں متن کی عبارت کا ترجمہ و مفہوم دیانت سے پیش کرے۔ بلاشبہ یہ قطعی ہے کہ اصل

عبارت کا ترجمہ مختلف عبارتوں اور تعبیروں اور جملوں کے ذریعہ کیا جاسکتا ہے اور عبقری مترجموں نے ایسا کیا بھی ہے۔ اس کی واضح و روشن مثال قرآن مجید کے عربی متن کا فارسی ترجمہ شاہ ولی اللہ اور اس فارسی شاہ کا اردو ترجمہ شاہ عبدالقادر دہلوی کا ہے۔ ابن سید الناس کے عربی رسالہ سیرت کا فارسی ترجمہ حضرت شاہ اور اس کے مختلف و متعدد اردو تراجم خاص فن سیرت میں موجود ہیں۔ کسی بھی مترجم کو یہ حق قطعی حاصل نہیں ہے کہ وہ اصل متن سے جملے، عبارتیں حذف کرے یا سیدھے سادے ترجمہ کی بجائے ان کا خلاصہ کردے۔ ہر مترجم کو یہ حق البتہ حاصل ہے کہ وہ کسی بات، واقعہ، تعبیر، عبارت وغیرہ سے اختلاف کرے تو اس پر اپنا تصحیحی حاشیہ لکھ دے۔ وہ اپنے حواشی و تعلیقات میں تصحیح واقعات و تعبیرات کا کام بھی کرسکتا ہے اور تشریحی تعلیقات کے ذریعہ اجمال کی تفصیل اور حوالہ کی تشریح بھی کرسکتا ہے۔ شبلی مصنف گرامی کے تاریخ بدء الاسلام کے فارسی ترجمہ فراہی اور اردو ترجمہ شاہ بانو کا ایک تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ خاکسار کے ذوق کے لیے مہمیز ثابت ہوا اور خامہ ہیچ مداں نے اس تجزیاتی و تنقیدی کام کو چند جداگانہ عناوین کے تحت زیب قرطاس کیا جیسا کہ وہ شاہ دہلوی کے ترجمہ کے باب میں کرچکا ہے۔

غیر وفادارانہ ترجمہ: محترم فارسی مترجم نے مصنف گرامی کی بہت سی عربی تعبیرات و بیانات کا اپنا من چاہا ترجمہ کیا ہے اور اصل کی پیروی نہ کی۔ وہ متن کے ایک جملہ کو توڑ کر دو بناتے ہیں اور ایک تعبیر کی دو تعبیریں کرتے ہیں۔ اور بسا اوقات ایک جملہ میں دو مختلف بیانات کو سمو دیتے ہیں۔ ان سے ترجمہ کی عدم وفاداری کے علاوہ مصنف کا منشا خبط اور واقعہ و معاملہ سیرت پراگندہ ہوجاتا ہے۔ اس کی مثالیں بہت ہیں۔

وفات پدری کے باب میں شبلی کا جملہ ہے: ''**توفی ابوہ عبداللہ بعد شھرین**'' جس کا فارسی ترجمہ فراہی ہے: ''پدر آنجناب عبداللہ بن عبدالمطلب بود .... آنحضرت ﷺ دو ماہہ بود کہ عبداللہ بمرد''۔ فارسی ترجمہ کے اتباع میں اردو ترجمہ کیا مگر اس روایت و بیان کی تصحیح اپنے حاشیہ میں کی۔

کفالت نبوی کی وصیت پدری اور کفالت ابوطالب کا عربی متن ہے: ''**واوصی اباطالب برسول اللہ فقام ابوطالب بامرہ ورباہ فی حجرہ**''۔ اس کا فارسی ترجمہ ہے: ''وابوطالب را وصیت کرد تا آنحضرت را در کنار مہر پرورید''۔ اردو ترجمہ فارسی کے مطابق ہے۔ ان دونوں ترجموں میں

ابوطالب کی واقعی کفالت نبوی کے کارنامہ کو وصیت پدری کا جزو بنادیا گیا ہے جبکہ شبلی نے اسے بطور واقعہ و کارنامہ ابوطالب بیان کیا ہے۔

پرورش و پرداخت نبوی کے بارے میں متن شبلی ہے: ''**ولما ترعرع و بلغ اشدہ ظھر من صدق لھجتہ و صفاء طویتہ ماظھر بہ صیتہ و علا ذکرہ حتی جری بہ المثل و لقبوہ بالامین**''۔ اس کا فارسی ترجمہ فراہی ہے: ''چوں بآغاز جوانی رسید ندآوازۂ پاکیزہ خوبی وراست کاری آنجناب آویزہ گوش ہر پیر و جوان شد تا آن کہ امین یعنی راست بازش می خواندند''۔ اردو ترجمہ متن عربی اور ترجمہ فارسی سے مختلف ہے اور خاصا آزاد۔ ترجمہ فارسی عربی متن کا پابند و وفادار نہیں ہے۔ اور اس کے مختلف فقروں کا ترجمہ نظر انداز کر کے اپنی تعبیر رکھتا ہے۔ اردو ترجمہ ہے: ''جب آپ جوان ہوئے تو آپ کے پاکیزہ عادات اور صداقت کا ہر شخص کے دل پر اثر ہوا، یہاں تک سب آپ کو امین کہتے تھے''۔

حضرت خدیجہؓ سے نکاح نبوی کا اگلا بیانِ شبلی ہے اور وہ بھی فارسی میں مختلف ہے اور بعض بیانات ساقط کرتا ہے۔ اردو ترجمہ فارسی ترجمہ کی پیروی کرتا ہے۔ جملوں کا الٹ پھیر فارسی سے اردو میں آیا ہے مثلاً **تزوج خدیجۃ بنت خویلد , وھو ابن خمس و عشرین سنۃ و خدیجۃ یومئذ ابنۃ اربعین سنۃ, و کان من امرہ أن خدیجۃ کانت امراۃ تاجرۃ ذات شرف و مال** ....الخ۔ فارسی ترجمہ حضرت خدیجہؓ کے ذکر سے شروع ہوتا ہے اور عمروں کے بیان پر ختم۔

قبل بعثت عرب کے مذاہب کے بارے میں شبلی کا جملہ ہے یا سرنامہ: ''**و کانت للعرب یومئذ دیانات مختلفہ**''۔ اس کا فارسی ترجمہ ''دراں روزگار عرب بر یک ملت نبودند''۔ دیانات مختلفہ کا صحیح ترجمہ کرنے میں کیا قباحت تھی اور اس کو ایک ملت پر رکھنے کی کیا ضرورت تھی؟ اردو ترجمہ فارسی ترجمہ کا پابند ہے: ''اس زمانہ میں اہل عرب کا کوئی ایک مذہب نہ تھا''۔

رسول اللہ ﷺ کی دعوت توحید و اسلام کی ایک پرمغز و بسیط اور ادبی عبارت شبلی نے کئی جملوں میں لکھی ہے: ''**ولما دعاھم رسول اللہ ﷺ الی التوحید و الاسلام و انکر علیھم عبادۃ الاصنام اخذتھم العزۃ بالاثم, فاعرضوا, و استھزؤا, و اکثروا من الجدل و اللجاج, و تشبثوا بحجج واھیۃ و شبھات ساقطۃ....**'' اس کا فارسی ترجمہ غیر وفادارانہ بھی ہے اور تسہیل و تلخیص کے رنگ کا بھی۔ ''چون پیغمبر خدا ایشان را براہ راستین رہنمونی فرمود تا بتان را فرو دھند و یگانہ

خدای رابہ پرستند، آشفتند واعتراضات بے معنی پیش آوردند''۔۔۔ترجمہ فارسی میں توحید واسلام کا ترجمہ کرکے قرآنی تعبیر اخذتھم العزۃ بالاثم کا ترجمہ اڑادیا اور جدل ومخاصمانہ بحث کی تعبیر بھی ساقط کردی۔اردو ترجمہ فارسی ترجمہ کے پیچھے پیچھے متن عربی سے ہٹتا چلا گیا ہے:''جب ان لوگوں کے دلوں کی سیاہی کے سبب سے ان باتوں کا اثر نہ ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت صاف اور روشن دلیلوں سے جو بدیہی تھیں اور ان کی سمجھ میں آسکتی تھیں حق کو ان پر ثابت کیا۔۔۔الخ''

منکرین ومخالفین اسلام ودعوت پر اثبات حجت اور حق دین مبین کے بارے میں شبلی کا بیان متعدد جملوں پر مشتمل اور نہایت ادبی ہے''فلما احس منھم الکفر اثبت علیھم حجۃ الحق باستدلالات لطیفۃ سھلۃ الماخذ و سمحۃ التعاطی، لاتبعد عن محجتھم، و لاتخرج عن نطاق درکھم، فاستدل علی وجود الخالق بشواھد الفطرۃ وعجائب آثارھا، وقال کما اوحیٰ اللہ الیہ۔''اس کا فارسی ترجمہ فراہی ہے:''پس چوں از تیرہ درونی آں سخن بایشان درنگرفت، آنجناب بدلائل بین کہ جلوہ بداہت داشت واز گنجانی فہم آن گروہ بیرون نبود حق برایشان ثابت کردو بہ شگفتنی ہای آفرینش بروجود آفریدگار رجحت آورد، وبوحی الٰہی فرمود۔۔۔''

اس پورے ترجمہ میں متن کے الفاظ وکلمات اور تعبیرات کی پابندی نہیں کی گئی۔اولین فارسی جملہ کس عربی متن کا ترجمہ ہے؟فلما احس منھم الکفر تو قرآنی تعبیر ہے اور اس کا تیرہ درونی سے ترجمہ کرنا خاصا دلچسپ ہے۔حجۃ الحق کے استدلالات اور ان کی صفات کا ترجمہ خالصتاً تسہیل و تلخیص ہے۔اس کے بعد کے جملہ کا ترجمہ نہیں کیا گیا اور شواہد فطرت اور اس کے عجائب کے آثار کا فارسی ترجمہ بھی متن کی پابندی نہیں کرتا۔اردو ترجمہ اوپر گزر چکا جو فارسی کا پابند ہے۔

ان تمام شواہد فطرت اور ان کے آثار عجائب کے لیے مصنف گرامی نے مسلسل اپنی تمہید وتعریف کے بغیر مختلف سورتوں کی آیات نقل کی ہیں۔ترجمہ فراہی میں شروع کی تین آیات کریمہ: ابراہیم: ۱۰، بقرۃ: ۲۲، روم: ۴۸ تو نقل کی ہیں اور اس کے بعد کی تمام آیات کریمہ ساقط کردیں۔وہ ہیں: النحل: ۱۴۔ ۱۵، ۶۵۔۶۶، ۶۹، ۷۸۔ ۶۹؛ انبیاء: ۳۱؛ رعد: ۴، ۱۷؛ بقرہ: ۱۶۴؛ یٰس: ۴۰؛ آل عمران: ۱۹۱؛ اعراف: ۱۸۵؛ الروم: ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴۔ان تمام آیات کی ایک خاص افادیت ہے اور ترجمہ سے ساقط کرنا کیونکر جائز ٹھہرایا جاسکتا ہے۔اردو ترجمہ میں تمام آیات کریمہ غالباً متن عربی سے لی گئی ہیں

اور مذکور ہیں اور ترجمہ فارسی کے برخلاف متن اور اردو ترجمہ دونوں میں سورہ یٰسں :۷۸ کی جگہ آیت : ''من یعید الخلق'' مذکور ہے۔آخری بات کی تصریح مرتب نے اپنے حاشیہ میں کی ہے۔شبلی کے بیان عربی کے آخری دو جملوں کا اسقاط نہ سمجھ میں آنے والی بات ہے۔وہ کار رسالت اور دین حق کی تبلیغ وانجام دہی کا اہم ترین واقعہ ہے۔اردو ترجمہ بہرحال فارسی ترجمہ کا پابند ہے اور تمام اسقاط وتسامحات رکھتا ہے مگر یہ دلچسپ بات ہے کہ فارسی کے فرقان حمید کو قرآن مجید لکھا ہے۔

قبل بعثت مختلف عرب مذاہب وعقائد کے باب میں فارسی ترجمہ اور اس کا اردو ترجمہ نسبتاً وفادارانہ اور پابند متن ہے لیکن بعض جملوں اور فقروں کا ترجمہ نہیں کیا ہے اور متعدد جملوں اور بیانوں میں الٹ پھیر کی ہے۔

آغاز رسالت اور اس کے بعد متعدد نبوی اقدامات کے مباحث میں فارسی مترجم گرامی نے عربی متن کی عبارات کا پابند ترجمہ نہیں کیا۔متعدد جملوں کا اسقاط بھی کیا یا ان کا ترجمہ کرنے سے اجتناب کیا۔اس سعی نامشکور کی وجہ سے ان کے تراجم کے اسقام کا ذکر اسی عنوان کے تحت آیا۔غیر وفادارانہ ترجمہ کی چند مثالیں درج ذیل ہیں۔ان سے پتہ چلایا جاسکتا ہے کہ عربی متن کی تعبیرات کے مطابق یا زیادہ قریب فارسی تعبیرات لائی جاسکتی تھیں مگر نہیں لائی گئیں:

۱۔**ولما دعاهم رسول الله ﷺ الى التوحيد والاسلام وانكر عليهم عبادة الاصنام اخذتهم العزة بالاثم۔** چون پیغمبر خدا ایشان را براہ راستیں رہنمونی فرمود تا بتان را فرو دھند و یگانہ خدای را پرستند آشفتند۔

۲۔**فلما احس منهم الكفر اثبت عليهم حجة الحق باستدلالات لطيفة .... الخ۔** چوں از تیرہ درونی آن سخن بایشان درنگرفت آنجناب بدلائل بین کہ جلوہ بداہت داشت....الخ

۳۔صفات الٰہی کا پیراگراف عربی میں جو تعبیرات واضحہ رکھتا ہے ان کا خلاصہ فارسی میں کردیا گیا ہے جس کا ذکر اسقاط کے باب میں آیا ہے۔اردو ترجمہ فارسی کی پابندی کرتا ہے اور عربی تعبیرات سے دور جا پڑتا ہے۔

۴۔آغاز رسالت کے مبحث میں جو عربی متن ہے اس کا فارسی ترجمہ بالکل مختلف ہے اور تعبیرات شبلی کی پابندی نہیں کرتا۔ایسی اور مثالیں ہیں۔

۵-ابتدائے دعوت کے باب میں عربی متن اور فارسی ترجمہ کی اس سے بے گانگی کئی مقامات پر واضح کی جا چکی ہے۔

اسلام حضرت عمرؓ کے مبحث میں عربی متن میں ہے کہ تلوار بہ کف حضرت عمرؓ کو جاتے دیکھ کر ایک شخص نے ان کی توجہ پھیرنے کے لیے کہا: ''**وما تصنع بحمد ﷺ؟ وقد اسلم ختنک وابن عمک؟ فقصدهم عمر وهم يتلون القرآن**۔ فارسی ترجمہ ہے:۔ ''سوی محمد ﷺ چہ روی؟ خود داماد و برادر تو مسلمان گشتہ اند، پس عمر سوئے ایشان شتافت وشنید کہ قرآن می خوانند۔۔۔''

اصل مسئلہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کی بہن حضرت فاطمہؓ بنت خطاب اور ان کے شوہر حضرت سعید بن زیدؓ اسلام لا چکے تھے اور تمام مصادر سیرت میں بہن اور بہنوئی کا حوالہ ہے: **ختنک وابن عمک۔ واختک**''۔ عربی لغت کے اعتبار سے ختن عورت سے رشتہ داری کی بنا پر متعدد اشخاص کے لیے آتا ہے اور ان میں سسر، سالا، داماد اور بہنوئی وغیرہ شامل ہیں۔ حضرت سعید بن زیدؓ حضرت عمرؓ کے بہنوئی تھے لہٰذا برادر نسبتی جیسی تعبیر زیادہ صحیح تھی۔ داماد قطعی غلط ہے۔ البتہ باقی ترجمہ بہت عمدہ اور عربی متن کا بڑی حد تک پابند و وفادار ہے۔ ابن اسحاق وغیرہ نے دونوں بہن و بہنوئی کی نام بنام صراحت کی ہے۔ کمال ہے کہ اردو ترجمہ میں ہے: ''خود تمہاری بہن اور بہنوئی مسلمان ہو چکے'' الخ۔

مظالم اکابر قریش کی بحث میں رسول اکرم ﷺ پر ظلم وستم کا متن شبلی ہے:

''**اما رسول الله ﷺ فكان في اشد شئي واعظم امر من اذاهم، يستهزؤن به، ويا خذونه سخريا**''۔ ترجمہ فارسی ہے: ''اما رسول اللہ ﷺ پس از آزادشان سخت زحمتی داشت ہمہ بہ آنجناب استہزا می کردند''۔ ترجمہ فارسی میں پابندی متن نہیں ہے اور آخری جملہ کا ترجمہ بھی نہیں ہے۔ اس باب میں دو آیات کریمہ: حجر: ۹۶ اور فصلت: ۲۵ کے بعد ظالموں کے دوسرے قول کا جملہ شبلی ہے: **ومنهم من يقول**''۔ مترجم فارسی نے اس کو ساقط کر کے بعد کی تمام آیات کریمہ کو اول طبقہ کے کھاتے میں ڈال دیا ہے۔ اردو ترجمہ فارسی ترجمہ کے علاوہ متن عربی کا بھی لحاظ کرتا ہے: ''رسول اللہ ﷺ کفار کی وجہ سے سخت تکلیف میں تھے۔ آپ کی سب ہنسی اڑاتے۔ کوئی کہتا: الخ'' اور تمام آیات کریمہ تسلسل سے بیان کرتا ہے اور ان کے ترجمے بھی دیتا ہے۔

''غزوۂ بدر'' کے عنوان سے متن عربی میں شبلی نے مختلف ابتدائی مہموں اور ان کے مقاصد اور

قریش کے اکابر کی سازشوں کا ذکر کیا ہے۔ اردو ترجمہ نے اپنی طرف سے ایک جامع عنوان ''غزوات و سریات'' لگایا ہے اور موخر الذکر پر ایک حاشیہ لگا کر ان دونوں اصطلاحات کا فرق بیان کیا ہے۔

فارسی مترجم گرامی نے حسب معمول متن عربی کی تعبیرات کا صحیح ترجمہ نہیں کیا، کہیں تلخیص کر دی، کہیں معانی کی ترسیل اور بسا اوقات اصطلاحات بدل دیں۔ مثلاً:

۱۔ متن شبلی ہے: ''وکان رسول اللہ ﷺ ایضا یبعث السرایا لیعرفوا اخبار قریش ویمنعوھم''۔ (پیغمبر خداؐ نیز جاسوس می فرستاد تا از کارسازی آنہا آگہی یابد و بہ دفعش کوشد)

سرایا کا ترجمہ جاسوس بہت ہی غلط ہے اور اخبار قریش کا ضمیر سے تبادلہ بھی ابہام خیز اور خلاف ورزی متن ہے۔ اردو ترجمہ میں بھی جاسوس ہے اور فارسی جملہ و تعبیر کی پیروی بھی۔

۲۔ ابوسفیان کے شامی کارواں کے ساتھ تیس افراد تھے۔ ان کا ذکر ساقط کر دیا اور قریشی اکابر کو اطلاع اور ان کی آمد کے بعض جملے تلخیص کا روپ دھار گئے۔ اردو ترجمہ فارسی کی پیروی میں اسقاط اور غیر وفادارانہ ترجمہ رکھتا ہے۔

۳۔ عربی جملہ: ''وخرج من المدینۃ لیمنع قریشا'' کا فارسی ترجمہ: ''مع القصہ از مدینہ برخاست تا قریش را باز داد'' میں ''مع القصہ'' کا اضافہ دلچسپ ہے۔ مرتب گرامی نے عربی متن کے اس جملہ پر شبلی کے خاص نظریہ و تجزیہ کا حوالہ دیا ہے کہ شبلی قریشی فوج کی مکہ سے روانگی کی خبر پا کر آپؐ کے مدینہ سے نکلنے کے قائل تھے جبکہ عام مصادر سیرت قریشی کارواں پر تاخت کا ذکر کرتے ہیں اور شبلی نے اپنے اس خاص نظریہ پر اپنی شاہکار کتاب سیرۃ النبی میں بدلائل بحث کی ہے۔ اردو ترجمہ میں فارسی کی پوری پوری پیروی ملتی ہے۔ دوسرے جملوں کے علاوہ آخری عربی جملہ مذکورہ کا ترجمہ ہے: ''القصہ مدینہ منورہ سے روانہ ہو کر قریش کو آنے سے روک دیا''۔ یہ باز دادن/ روکنا تھا یا ان سے دفاع؟

۴۔ عربی متن میں ہے کہ انصاری مبارزوں سے قریشی مبارزوں نے کہا تھا کہ تم برابر کے جوڑ ہو: ''اکفاء کرام'' لیکن ہمیں تم سے کوئی تعرض و حاجت نہیں، ہمارے سامنے تو ہمارے کفو آنے چاہیے: ''لیخرج اکفاءنا؟'' فارسی ترجمہ میں ''اکفاء کرام'' ساقط کر دیا ہے اور آخری جملہ کا ترجمہ ہے: ''باید صنادید عرب کہ ہم پایہ ما ہستند پیش آیند''۔ یہ صنادید عرب کس کا ترجمہ ہے؟ اردو ترجمہ اپنی فارسی ترجمہ کی پاسداری میں اکفاء کرام کا ترجمہ نہیں رکھتا اور صنادید عرب کا ترجمہ سردار عرب کیا ہے۔

باقی واقعات کا ترجمہ فارسی کے مطابق ہے۔

۵۔ ثم ان قریشا ارسلت فی فداء الاسری کا فارسی ترجمہ ہے: ''بالجملہ قریش فدیہ دادند'' جو تلخیص ہے۔ اردو ترجمہ ہے: ''حاصل کلام قریش نے فدیہ دے کر قیدیوں کو چھڑا لیا''۔

۶۔ اسود بن عبد یغوث کے تین اشعار بلا ترجمہ نقل کر دیے جو عربی متن میں ہیں۔ اردو ترجمہ میں عربی اشعار کے ترجمے بھی ہیں جس طرح ابوطالب کے شعر کے ترجمہ اردو سے سروکار رکھا ہے۔

غزوات احد و حمراء الاسد کے ترجمہ فارسی کے متن سے خلاف ورزی کا ذکر اسقاط کی بحث میں آتا ہے۔

غزوہ الرجیع: عربی متن ہے ''و طلبوا أن یبعث معهم من یفقههم''۔ ترجمہ فارسی ہے: ''وگفتند: باما کسی را ہمراہ فرمای کہ احکام شریعت مارا بیاموزد''۔ آگے ماء کا ترجمہ 'آب گیری' کیا ہے۔ اردو ترجمہ میں ہے: ''وہ ہم کو شریعت کے احکام سکھایا کرے''۔ البتہ ''ماء بنی ہذیل'' کا ترجمہ بہتر کیا ہے کہ اسے ''بنی ہذیل کے پانی کا مقام'' کہا ہے۔

غزوہ بئر معونہ: متن عربی میں مرتب گرامی نے حضرت ''المنذر (بن عمرو) الانصاریؓ کی تصریح کر کے مطبوعہ نسخہ کے نام منذر کی تصحیح کی ہے۔ فارسی ترجمہ میں ''منذر انصاری رضی اللہ عنہ'' ہی رہا۔ عربی متن میں رضی اللہ عنہ نہیں ہے اور کئی اور مقامات پر ''رضی اللہ عنہ'' نہیں ثبت کیا گیا ہے جیسے متن میں حضرت کعبؓ کے لیے نہیں ہے۔

''فی اربعین رجلا من خیار المسلمین'' کا فارسی ترجمہ ''با چہل تن از گزیدگان مسلمانان گسیل کرد'' میں بعض الفاظ و حروف شکوہ کناں ہیں۔ اردو ترجمہ فارسی ترجمہ کے تتبع میں ''منذر انصاریؓ اور آگے چالیس برگزیدہ مسلمانوں کو بھیج دیا'' ترجمہ کیا ہے۔

غزوہ بدر الثانیہ: کا جنگ بدر ثانیہ متن/ترجمہ فارسی میں کرنا مناسب نہیں۔ متن عربی میں ہے: ''خرج رسول اللہ ﷺ لمیعاد ابی سفیان''۔ اس کا فارسی ترجمہ: ''پیغمبر خدا ﷺ بخواستہ ابوسفیان از مدینہ بیرون آمدہ'' صحیح واقعہ کی وضاحت نہیں کرتا کہ آپ ابوسفیان سے کیے گئے وعدہ کے ایفا کے لیے نکلے تھے۔ ''ثم بدا له الرجوع'' کا ترجمہ فارسی ''بازگشت'' ناکافی ہے اور عربی متن کے معنی و بلاغت سے خالی۔ اردو ترجمہ میں ہے: ''آنحضرتؐ ابوسفیان کے اعلان جنگ پر مدینہ سے باہر

تشریف لاکر بدر کی جگہ اترے''۔اسی ضمن یا واقعہ سال میں حضرت زید بن ثابتؓ کی کتابۃ یہود سیکھنے کے فن میں رضی اللہ عنہ کا اضافہ فارسی میں ہے اور اس سے زیادہ معنی خیز ''حضرت حسین بن علی علیہما السلام'' کا اثبات واضافہ ہے۔''وفی قول'' کا ترجمہ ''بعض گویند'' بھی دلچسپ ہے۔اردو ترجمہ میں ان دونوں واقعات کا ذکر خاص عناوین کے تحت کیا ہے:''آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کتابت سیکھنے کے لیے حکم دینا'' اور''ولادت حسینؓ''،اول الذکر میں یہود کا اسقاط ہے اور موخر الذکر میں حضرت امام'' کا اضافہ۔

غزوۃ الخندق: مختلف عربی تعبیرات اور ان کے فارسی تراجم کا ایک گوشوارہ پیش ہے:

عربی متن:''**وکان من امرھا ان نفرامن یھود بنی النضیر حزبوا الاحزاب**''

فارسی ترجمہ''وچنان بود کہ جہودان بنی نضیر گروہی فراہم آورد''۔

عربی متن میں مرتب گرامی نے تاریخ ابی الفداء سے اپنے اضافہ میں ثبت کیا ہے[**واقام المشرکون بضعاوعشرین لیلۃ ورسول** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم **مقابلھم ولیس بینھم قتال غیر المراماۃ بالنبل**]اور اس کے حاشیہ میں تصریح کی ہے کہ فارسی ترجمہ کے سیاق نے اس اضافہ کا تقاضہ کیا جو غالباً اصل سے طباعت کے وقت ساقط ہوگیا۔فارسی ترجمہ میں دوسرے پیراگراف میں آغاز کا جملہ اضافہ مترجم ہے:''از دوطرف عمل تیراندازی بکار بود''۔اردو ترجمہ پر فارسی ترجمہ کے اثرات ہیں ''جہودان بنی نضیر'' ان میں سے ایک ہے اور اسی طرح پورے جملہ کا ترجمہ سیلھائے رومہ اور مترجم کی اضافہ شدہ عبارت کا ترجمہ بھی۔عمرو بن عبدود کے نام کے ساتھ اس کی ایک صفت ''معلم'' عربی متن میں ہے اور فارسی ترجمہ میں بھی مگر اس کا فارسی ترجمہ نہیں کیا گیا اور اردو میں بھی نہیں ہے لیکن اس پر مرتب کا حاشیہ ہے:''ایک امتیازی نشان کے ساتھ نکلا،معلم اس کے نام کا حصہ نہیں ہے''۔حضرت علی کرم اللہ وجہ اردو ترجمہ میں اضافہ ہے۔

۔عربی متن: **فجعلت تکفاء قدورھم وتطرح ابنیتھم**'' کا فارسی ترجمہ ہے:''کہ خیمہ وخنورشان برمی کند وبرہم می زد''۔اس کی اردو ہے:''جس نے اس کے مطبخ اور خیموں کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیا''۔

غزوہ بنی قریظہ: متن عربی میں بنوقینقاع کے محاصرہ کے حوالہ سے دس دن کا محاصرہ بتایا ہے: ''**وکانت المحاصرۃ فی عشرۃ لیال**'' جو فارسی ترجمہ میں پندرہ دنوں کا ہوگیا ہے جیسا کہ حاشیہ مرتب

کے مطابق کامل وتاریخ ابی الفداء میں ہے۔اردو ترجمہ کے متن میں بھی دس روز باقی رکھا اور حاشیہ میں اصلاح کی کہ صحیح پندرہ روز ہے جیسا کہ فارسی ترجمہ اور اس کتاب کے مآخذ میں ہے نیز دیکھیے سیرۃ النبیؐ جلد اول، غزوہ بنی قینقاع۔

متن عربی میں غزوہ بنی قینقاع کو غزوۃ بنی قریظہ کا نام دیا گیا ہے اور جس پر مرتب گرامی نے حاشیہ میں تصریح کی ہے کہ یہ مصنف کی لغزش قلم ہے اور مصنف موصوف نے غزوہ بنی قریظہ کے ضمن میں تمام غزوات یہود کا ذکر کیا ہے۔فارسی میں مترجم نے اس کے متن ہی میں تصحیح کی ہے:''بجنگ بنی قینقاع نامیدہ شدہ''۔مرتب گرامی نے عربی متن میں صحیح نام کیوں نہیں لکھا جب کہ غزوہ مذکورہ کے مطبوعہ متن میں سنہ چار کی تصحیح کر کے سنہ ۲ بدلا ہے اور حاشیہ میں اس کی غلطی واضح کی ہے۔اردو ترجمہ میں مرتب کا حاشیہ ہے کہ یہاں بنی قینقاع مراد ہیں، بنی قریظہ کا ذکر آگے آرہا ہے۔

متن عربی میں بنو قریظہ کے محاصرہ کی مدت پچیس دن بتائی ہے:''**و حاصرھم خمسا و عشرین لیلۃ**''، جو فارسی میں''پانزدہ روز'' رہ گئی۔اردو ترجمہ میں بھی پندرہ روز ہے اور حاشیہ میں مرتب کا اظہار ہے کہ''فارسی ترجمہ کی وجہ سے غلطی ہوئی۔عربی متن میں پچیس روز ہے''۔دونوں مقامات پر متن میں تصحیح ہونی چاہیے۔

متن عربی میں ہے:''**افعل فی موالینا مثل ما فعلت فی موالی الخزرج یعنی بنی قینقاع**''۔اس کا فارسی ترجمہ ہے:''چناں کہ با موالی خزرج (کہ بنی قینقاع بودند) معاملت کردی یا بنی قریظہ کہ موالی ماہستند معاملت فرمای''۔اس طرح **الا ترضون ان یحکم فیکم سعد بن معاذ؟** کا ترجمہ کیا ہے:''حکومت سعد را می پذیرید؟ گفتند می پذیریم''۔حکم بنانے کا ترجمہ حکومت کرنا ذرا عجیب لگتا ہے۔اردو ترجمہ فارسی ترجمے پر منحصر ہے۔

عربی متن کے آخری جملہ:''**ثم انھم قتلوا من آخرھم**'' کا فارسی ترجمہ کیا ہے:''وباز یک یک گردن بزدند''۔اردو ترجمہ فارسی کے مطابق ہے:''پھر ایک ایک کی گردن ماردی گئی''۔صحیح ترجمہ ہوتا:''پھر وہ سب اپنے آخری آدمی تک قتل کردیے گئے''۔

غزوہ بنی المصطلق: متن میں سبب غزوہ:''**سببھا**'' کا کام''وچنان شد'' سے چلا لیا اور''**تجمعوا لہ**'' کا ترجمہ کیا ہے:''بمخالفت مسلمانان انجمن گشتہ'' اور''**و کان قائدھم الحارث الخ**''

کا ترجمہ کیا: ''وحارث راسپہ سالار ساختند'' جیسے اسی موقع پر بنایا ہو۔ بماء لھم کا ترجمہ پھر ''برآب گیری کہ از ایشان بود'' کیا ہے۔ اردو ترجمہ مذکورہ بالا کی اس قسم کی تعبیرات رکھتا ہے: سببھا اس طرح واقع ہوا، دوسرا ترجمہ بہتر واصل کے قریب ہے: ''مسلمانوں کی مخالفت پر ایک جم غفیر جمع کیا''، مگر حارث کو اس کا سپہ سالار بنایا فارسی سے مطابقت رکھتا ہے۔ اردو ترجمہ میں آب گیر درآیا ہے مگر اس پر مرتب کا حاشیہ اصلاح ہے: ''چشمہ مراد ہے''۔

عمرۃ الحدیبیہ: ۱۔ شبلی کا متن عربی ہے ''خرج رسول اللہ معتمرا فی ذی العقدۃ الخ'' اس کا فارسی ترجمہ ہے: ''در ماہ ذی قعدہ پیغمبر خدا عمرہ کرد' الخ۔ اردو کا ترجمہ بہتر ہے: ''عمرہ کا قصد کیا''۔

۲۔ عربی متن میں: وساق الھدی معہ سبعین بدنۃ الخ'' اور اس کا ترجمہ ہے: ''وہدی را بہ ہفتاد بدنہ روانہ کرد''۔ سوال یہ ہے کہ ہدی آپ اپنے ساتھ لے گئے تھے یا آگے روانہ کردی تھی؟ اردو ترجمہ بھی ''ہدی (قربانی) کے لیے ستر اونٹ روانہ کرنے'' کا ترجمہ رکھتا ہے۔

۳۔ متن میں ہے: ''لا تدخلھا علیھم ابدا''۔ ترجمہ فارسی ہے: ''ترا در آنجا رفتن ندھند''، اردو ترجمہ ''آپ کو اس جگہ ہرگز نہ جانے دیں گے''۔

۴۔ عربی متن ہے: ''وعاھدوا اللہ ان لا تدخل علیھم عنوۃ ابدا''۔ اس کا فارسی ترجمہ ہے: ''وسوگند خدا خوردہ کہ ہرگز ترا بمکہ درآمدن ندھند''۔ عربی اصل میں عنوۃ'' ہے جس کا مطلب ہے ''زبردستی یا بزور'' وہ فارسی میں موجود نہیں ہے۔ اردو ترجمہ ہے: ''آپ کو مکہ میں ہرگز نہ آنے دیں گے''۔

۵۔ قولِ عروہ بن مسعود ثقفیؓ کا متن ہے: ما افظک و اغلظک! اس کا فارسی ترجمہ ہے: ''تو عجب کج خلق ہستی''۔ یہ ترسیل معنی ہے اور وہی اردو ترجمہ میں ہے: ''تو عجیب کج خلق ہے''۔

بیعۃ الرضوان: صلح حدیبیہ کے تسلسل میں بیت رضوان کی سرخی ہے۔ اس کے تحت صلح حدیبیہ کا ذکر آیا ہے۔

ثم بعثت قریش سھیلا الیہ لیصالحہ الخ کا فارسی ترجمہ ہے: ''باز قریش سہیل را فرستاد تا بریں شرط مصالحت کند الخ۔ اردو ترجمہ فارسی کے مانند۔

فجری الصلح کا ترجمہ کیا ہے: ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم را پذیرآمد''۔ یہی اردو ترجمہ میں ہے، ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قبول فرمایا''۔

صلح حدیبیہ کی شرائط متن میں مسلسل و بلانمبر ہیں، فارسی ترجمہ میں ان کے نمبر بڑھائے ہیں: یکی ودوم، سہ دیگر، چہارم، اردو ترجمہ میں نمبروار بیان کیا ہی: ۱، ۲، ۳۔

آخری شرط کی عبارت ہے: **خرجنا عنک فد خلتها باصحابک فأقمت بها ثلاثا** ''اس کا فارسی ترجمہ ہے: ''قریش سہ روز را بیرون روند مسلمانان بیایند وسہ روز بمانند''، اردو ترجمہ فارسی کی پیروی کرتا ہے۔

عربی متن ہے: ''**فبینما النبی یکتب الکتاب**''۔ اس کا فارسی ترجمہ ہے: ''این نوشتہ می شد''۔ وہ ابھی لکھا کہاں گیا تھا؟

''**یرسف فی الحدید**'' کا ترجمہ ہے: ''سلسلہ بر پائے'' اردو فارسی کے مانند۔

ارسال الرسل الی الملوک: متن میں ہے: ''**وفیها بعث رسول اللہ الرسل الخ**'' اور ترجمہ ہے: ''ہم درین سال آنحضرت نامہا گسیل فرمودہ'' اردو ترجمہ فارسی کے مطابق۔

''**قبل کتاب النبی ﷺ**'' کا ترجمہ ہے: ''نامہ را پذیرفت''۔ اردو ترجمہ میں ہے: ''آپ کے خط کی نہایت توقیر کی''۔ مقوقس کے تحائف پر حاشیہ ہے۔

''**خاف الروم علی نفسه**'' کا ترجمہ کیا ہے: ''از قوم خود بترسید''۔ وہی اردو میں ہے: ''اپنی قوم سے خائف تھا''۔

''**فصالحوا علی الجزیة**'' کا ترجمہ ہے: ''جزیہ پذیرفتند''۔ اردو ترجمہ ہے: ''سب نے جزیہ دینا قبول کیا'' جبکہ سب نے جزیہ پر صلح کی ترجمہ ہونا چاہیے۔

غزوہ خیبر: عربی متن میں ہے کہ یہود نے اپنی پیداوار کے نصف کے مساقاۃ پر صلح کی: ''**وسأل اهل خیبر الصلح علیٰ ان یساقیهم علی النصف من ثمارهم ویخرجهم متی شاء**''۔ اس کا فارسی ترجمہ ہے: ''خیبریان بریں شرط صلح خواستند کہ ہموارہ یک نصف اثمار بہ فرستند و چوں خواہند ایشان را بیرون کنند''۔ اثمار کا ترجمہ ہونا چاہیے اور فرستن کا مفہوم و معنی کہاں ہیں''۔ اردو ترجمہ نسبتاً بہتر ہے: ''پھر خیبر والوں نے اس شرط پر صلح کی درخواست کی کہ آپ کو نصف پیداوار دیا کریں گے۔'' اس سے قبل قلعہ مرحب کی فتح کے لیے صحابہ کرام کو علم (پرچم) دینے کی بجائے ''نشان'' دینے کا بار بار ذکر کیا ہے۔

غزوہ موتہ: متن عربی میں ہے: **فلما نزل بموتة عرض له عمرو بن شرحبيل الغسانی فقتله**۔ اور اس کا فارسی ترجمہ ہے: ''چون بہ موتہ رسید عمرو بن شرحبیل اورا بکشت''۔ اردو ترجمہ میں فارسی کا اتباع ہے۔ اس میں الغسانی کا اسقاط بھی ہے۔

اصل متن میں ہے: ''و امر عليهم زيد بن حارثة الخ'' اور فارسی ترجمہ ہے: ''وزید بن حارثہ رارایت بسپرد وفرمود''۔ امارت کو رایت سپرد ن سے تعبیر کیا اور فرمایا کا اضافہ فرمایا اور ''**فان اصيب فعبد الله بن رواحة**'' کا ترجمہ ''اگر کشتہ شود پس ازوی عبداللہ علم دارشوند''۔ امراء ثلاثہ کے تقرر امارت اور ان کی شہادت کے لیے متن میں قتل اور اصیب کے دو الفاظ کا یکساں ترجمہ ہے اور ''علم دارشوند'' کی تعبیر ہے، حضرت عبداللہ بن رواحہ کی نسبت پدری کا اسقاط ہے۔ اردو ترجمہ میں بھی لشکر کا علم سپرد کرنے کا ذکر فارسی کی وجہ سے ہے اور فارسی تعبیرات کا بھی۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ کی نسبت پدری کا ذکر البتہ موجود ہے۔

ہرقل کی فوج کے المستعربۃ کا ترجمہ عرب کیا ہے۔ اور اس رومی فوج کے لیے متن میں ہے: ''**ونزلوا ماٰب من ارض البلقاء**'' جس کا فارسی ترجمہ ہے ''درآب بلقاء فرود آمد است''۔ بلقاء مطبوعہ رسالہ میں بلقان چھپا تھا جس کی تصحیح مرتب نے کی اور حاشیہ میں صراحت بھی کی۔ اردو ترجمہ میں صحیح تر ہے: ''موضع شارف پر جوگاؤں بلقاء کے نواح میں سے ہے ٹھہرے''۔

فشجعهم عبد الله بن رواحه کا ترجمہ ہے: ''عبداللہ بن رواحہؓ گفت: دل قوی دارید و برخیزید''۔ حوصلہ دلانے کی فارسی بڑی قوی ہے۔ وہی اردو میں ہے۔

''**جموع الروم والعرب بقرية من البقاء يقال لها شارف**'' کا ترجمہ ''ولشکر ہرقل درشارف (کہ قریہ از مضافات بلقا است)'' متن کے لشکر روم وعرب کو لشکر ہرقل بنا دیا۔ حالانکہ متن عربی بتاتا ہے کہ انھوں نے گھوڑے کی کونچیں کاٹ دیں اور وہ قوم سے لڑے تا آنکہ شہید ہو گئے۔

''**فعقرها، ثم قاتل القوم حتى قتل**'' کا ترجمہ ہے: ''وپی کردو تیغ زد تا آنکہ کشتہ شد''۔ متن عربی کے ایسے آزاد ترجمے اور بھی ہیں۔ اردو ترجمے میں اور بھی دلچسپ تعبیر ہے: ''حتی کہ ان کا گھوڑا زخمی ہو گیا اور وہ پاپیادہ ہو گئے۔ بالآخر یہ بھی شہید ہو گئے''۔

فتح مکہ: فارسی ترجمہ کے مطبوعہ نسخہ میں عنوان بالا کی جگہ صلح حدیبیہ چھپ گیا تھا اور اس کی تصریح

تصحیح مرتب گرامی نے کی ہے۔ اردو میں صحیح عنوان ہے۔

بنو بکر اور قریش کا عقد معاہدہ اور خزاعہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ معاہدہ صلح حدیبیہ کے بعد کا معاملہ تھا۔ ترجمہ فارسی نے اس کو خبط کر دیا۔ اور ''دریں سال'' خزاعہ پر بنو بکر و قریش کے حملہ و نقض عہد کا تاریخی تناظر نظر انداز کر کے اس سال کا واقعہ بنا دیا۔ اردو ترجمہ بہر حال زیادہ صاف ہے۔

عربی متن میں تیاری کے بعد مدینہ سے نکلنے کی تاریخ ہے اور آپ کے ساتھ مہاجرین و انصار اور عرب کے مختلف دستوں کا ذکر ہے اور پھر ان کی کل تعداد ہے مگر ترجمہ فارسی میں ترتیب تعبیرات بدل دی ہے اور تاریخ بعد میں آئی ہے۔ یہی الٹ پھیر اردو ترجمہ میں فارسی ترجمہ کے سبب ہے۔

مرتب گرامی نے متن عربی میں ابوسفیانؓ و حکیمؓ بن حزام کے بعد (حضرت بدیلؓ بن ورقاء الخزاعی) کا اضافہ کیا ہے جو ترجمہ فارسی میں نہیں ہے اور نہ ہی اردو ترجمہ میں۔

امان عام کے لیے متن میں ''**دخل المسجد**'' کا ترجمہ ''بکعبہ درآید کیا ہے'' اور آگے ''**جنود اللہ**'' کا ''لشکر یزدانی''۔ اردو ترجمہ میں بالترتیب ''خانہ کعبہ میں'' اور ''خدا کا لشکر'' ہے۔

عربی متن میں متعدد پیراگراف ہیں جو فارسی ترجمہ میں ساقط کر دیے گئے ہیں اور وہ سقوط و اسقاط اردو ترجمہ میں آنا ہی تھا۔

''**الیوم تستحل الکعبة**'' کا ترجمہ فارسی ہے: ''امروز کعبہ را حرم نگذاریم''۔ اردو ترجمہ ہے: ''آج ہم کعبہ کو حرم نہیں کہیں گے'' اور اس پر حاشیہ ہے۔

''**و دخل من أذاخر باعلاها**'' کا ترجمہ کیا ہے: ''واز نشیب اذاخر برآمد'' جبکہ مراد مصنف اور واقعہ سیرت یہ ہے کہ آپ اذاخر کی جانب سے مکہ کے بالائی حصہ (اعلاھا) سے داخل ہوئے تھے۔ فارسی ترجمہ میں عربی متن کے پیراگراف کی پابندی نہ کرنے کی یہ بھی ایک مثال ہے۔ اردو میں بہتر ترجمہ ہے۔

''**و معهم الاحابیش و بنو بکر الخ**'' کا ترجمہ ''گروہی از اوباش واز بنو بکر الخ'' کیا ہے اور مرتب گرامی نے حاشیہ میں اس کے معنی کی توجیہ کی ہے، ''بہ معنی مردم درآمیختہ از قبائل گوناگوں'' اور اس ''اوباش'' پر ایک جگہ نقد بھی ملتا ہے۔ اردو میں بھی اوباش ہے اور اس پر مرتب کا حاشیہ ہے: ''اصل عربی میں احابیش کا لفظ ہے، اس کی تشریح اس سے قبل حاشیے میں گذر چکی ہے''۔

یلمطمن وجوہ الخیل بالخمر ''موخرالذکر کا ترجمہ ''چادر ہای خود'' کیا ہے۔

باب کعبہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خطبہ عالیہ کا متن عربی میں ناقص سمجھ کر مرتب گرامی نے **''لاالہ الا اللہ وحدہ''** کے بعد **(صدق وعدہ ، ونصر عبدہ وھزم الاحزاب وحدہ)** کا اضافہ کر کے حاشیہ میں تشریح کی ہے کہ ''سیدھے قوسین میں اضافہ شدہ جملے شاید سہواً ساقط ہو گئے۔ مصادر سیرت وحدیث میں وہ بہر حال ملتے ہیں''۔ لیکن فارسی واردو ترجمہ میں یہ تسامح مصنف وترجمہ فارسی دور نہیں کیا گیا۔ اردو میں البتہ ان کا ترجمہ کیا ہے۔

''**وانتم الطلقاء**'' کا ترجمہ ہے ''شمارا آزاد کردیم''۔ دخول کعبہ کا ترجمہ خالص فارسی میں ''خانہ یزدانی'' کیا ہے، وہی اردو ترجمہ میں ہے۔

ورای فیھا صور الانبیاء فامر بھا فمحیت وکان فیھا ثلاثمائۃ وستون صنما '' کا فارسی ترجمہ ہے: ''درآن خانہ سہ صد وشصت بتھا بود کہ بنام پیغمبران وبزرگان تراشیدہ بود، فرمان دار تا بیرون کردہ شوند''۔ انبیاء کی تصویروں کو اصنام کعبہ سے خلط ملط کر دیا اور تصویروں کا ذکر ساقط کر دیا۔ اصنام کعبہ کے باہر تھے اور تصویریں اندرونی دیواروں پر جن کو مٹانے کا حکم دیا تھا۔ اردو ترجمہ ہے: ''کعبہ میں تین سو ساٹھ بت تھے جو پیغمبروں اور بزرگوں کے نام تراشے گئے تھے آپ کے حکم سے باہر پھینک دے گئے''۔

صفا پر بیعت مردمان و بیعت زنان کے عربی متون کا وفادارانہ ترجمہ نہیں کیا: ''**بایعھن واستغفر لھن** '' کا ترجمہ ہے: ازآنہا بیعت گرفت وتوبہ دارد''۔ اردو میں ہے: ''انھوں نے آپ کے حکم کے موافق عورتوں سے بیعت لی اور توبہ کرائی''۔

غزوۂ حنین: حنین کی تعریف متن عربی کے مطابق ''وادیست درمیان مکہ وطائف'' ہے مگر اردو ترجمہ میں اسے جنگل بنا دیا ہے اور مرتب نے بھی تصحیح نہیں کی۔

متن میں ہوازن کا قول منقول ہے: ''**لا مانع لہ فالرای ان نغزوہ قبل ان یغزونا**'' الخ کا فارسی ترجمہ ہے: ''دور نبود کہ اکنون باآہنگ ماہم برخیز دپس ہمان بہتر کہ ماپیش دستی کنیم''۔ اردو ترجمہ ہے: ''کچھ بعید نہیں کہ اب ہماری طرف قصد کریں پس بہتر ہے کہ ہم ہی پیشقدمی کریں''۔

''**وکان علیھم مالک بن عوف**'' کا ترجمہ ہے ''مالک بن عوف سالار شد'' اور ''**تجمعوا**''

کا ترجمہ ہے: ’’وہوازن باوگرد آمدند‘‘۔ اردو ترجمہ میں مالک بن عوف کی سالاری میں تمام ہوازن کے جمع ہونے اور ثقیف کے شریک ہونے کا ذکر ہے۔

’’**ولما رای المسلمون کثرۃ من معھم قالوا**‘‘ کا ترجمہ ہے: ’’مسلمانان جمعیت خود گفتند‘‘۔ کثرت کا غرور ترجمہ میں مٹ گیا۔ اردو میں بھی یہی ہے۔ سورہ توبہ: ۲۵ کا اردو ترجمہ البتہ ایزاد کیا ہے۔

’’**ولما استقبل المسلمون وادی حنین انحدروا فی وادا جوف خطوط کانما انحدروا فی عمایۃ الصبح**‘‘ کا فارسی ترجمہ ہے: ’’وچون مسلمانان بہ حنین نزدیک شدند در بیابانی فرود آمدند کہ پیچ پیچ بود و مغا کہا داشت گویا در تیرگی صبح آمدند‘‘۔ اس میں ’’بہ حنین نزدیک شدند‘‘ اور وادی کے لیے ’’بیابانی‘‘ دلچسپ تر ہے۔ اردو ترجمہ میں پھر ’’واد‘‘ کا ترجمہ جنگل کیا ہے، ’’جو پیچ در پیچ تھا اور کثرت سے اس میں کھوٹیں تھیں۔ یہ لشکر صبح کی تاریکی میں وہاں پہنچا تھا‘‘۔ فارسی ترجمہ میں اخیر جملہ و تشبیہ صحیح ہے مگر اردو میں اسے خبر و واقعہ بنا دیا ہے۔

متن عربی میں ہے: ’’**انما السبایا عماتک و خالاتک و حواضنک**‘‘ فارسی ترجمہ ہے: ’’در این اسیران عمات وخالات رضاعی تو و آنہا در کنارشان پرورش یافتی آمدہ اند‘‘۔ عمات و خالات کا ترجمہ نہیں کیا کہ وہی فارسی میں مقبول ہیں لیکن حواضنک کا ترجمہ خوب ہے۔ اردو ترجمہ فارسی کی پیروی میں ہے لیکن اردو متبادل کے ساتھ: ’’آپ کی رضاعی پھوپھی اور خالہ اور وہ عورتیں جن کی گود میں آپ نے پرورش پائی ہے‘‘۔ پھوپھی وخالہ واحد کیوں ہیں؟

’’**خیر الکمفولین**‘‘ کا ترجمہ ہے: ’’وتو از اینہا بہتر ہستی‘‘ اردو ترجمہ ہے: ’’اور آپ تو اس سے بہتر ہیں‘‘۔ دونوں ترجمے غیر وفادارانہ ہیں اور ناقص بھی۔

’’مولفۃ القلوب‘‘ کا ترجمہ کیا ہے: ’’بخانمانان بخشید‘‘۔ بخانمانان سے وہ خاص امراء تو مراد نہیں ہو سکتے۔ اردو میں قریش ودیگر قبائل بن گیا ہے۔

انصار کے سامنے رسول اللہؐ کے عظیم الشان خطبے کے بعض جملوں کا موزوں ترجمہ نہیں کیا: جیسے ’’**لعاعۃ من الدنیا**‘‘ کا ترجمہ ’’زخارف دنیوی‘‘، اردو میں مٹھی بھر سونا ہے۔ ’’**فبکی القوم حتی اخضلوا لحاھم**‘‘ کا ترجمہ ہے: ’’وچندان گریستند کہ ریشہا ترشد‘‘۔ انصار کرام کا آخری معروضہ تھا:

''رضینا برسول اللہ قسماو حظا'' اس کا فارسی ترجمہ ہے: ''برین رسم کہ ما پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم را یافتم رضا دادیم''۔ صرف تقسیم غنائم پر رضا وخوشنودی کا معاملہ نہ تھا بلکہ اپنی قسمت و دولت بیکراں پر افتخار کا ناز بھی شامل تھا۔ اردو ترجمہ فارسی کے مانند صرف تقسیم پر رضائے انصار کا ذکر کرتا ہے۔ البتہ خطبہ نبوی میں مولفۃ القلوب کی عطا کا حوالہ دیا ہے: ''ایک قوم کے قلوب کی تالیف کے لیے دے دیا''۔

غزوہ تبوک: عطیہ حضرت صدیقؓ کا ذکر متن میں ہے: ''**فانفق ابوبکر جمیع ما عندہ من الناطق و الصامت**''۔ فارسی ترجمہ میں ناطق وصامت برقرار رہا: ''پس ابوبکرؓ ہر چہ از ناطق و صامت داشت بیاورد''۔ اس کے علاوہ انفاق کا صحیح ترجمہ نہیں فرمایا اردو میں دلچسپ تفصیل ہے: ''صدیق نے جو کچھ لونڈی غلام سونا چاندی رکھتے تھے۔ پیش کیے''۔

متن کی ترتیب قبائل جزیہ۔ ایلہ، اذرح اور جرباء کی ترتیب بدل دی اور جرباء کو اذرح سے مقدم کر دیا۔ یہی اردو میں الٹ پھیر ہے۔

متن قیام تبوک کی مدت ''**بصغ عشرۃ لیلۃ**'' کو ''دہ روزہ'' کر دیا۔ حاشیہ نگار نے متن کے ''دہ واندروز'' کی نشاندہی کی۔ اردو میں متن میں دس روز اور حاشیہ مرتب میں وضاحت ہے۔ فارسی ترجمے میں ایسا ہے مگر اصل کتاب میں **بصغ عشرۃ لیلۃ** ہے یعنی ۱۳-۱۹ روز تک۔ مصادر سے متعین ایام کا حوالہ نہیں دیا صرف بعض کے لغوی معنی پر اکتفا فرمایا۔

وفود العرب: متن میں ہے: ''**و قدم کتب ملوک حمیر مقرین باسلام**''۔ اس کا فارسی ترجمہ ہے: ''وشاہان حمیر باقرار اسلام نامہا فرستادند''۔ اردو ترجمہ ہے: ''حمیر کے بادشاہوں نے بذریعہ تحریر کے اسلام قبول کیا''۔

متن کی تعبیر ہے: ''**قرأ کتاب رسول اللہ علیھم فاسلمت ھمدان کلھا فی یوم واحد**''، اور ترجمہ ہے: چون اہل ہمدان نامہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بشنودند ہمہ در یک روز مسلمانی گرفتند''۔ نامہ برکی قرأت فرمان نبوی کو ہمدان کی شنودن بنا دیا۔

حجۃ الوداع کا ذکر اسی عنوان کے تحت ڈیڑھ سطری ہے مگر الگ پیراگراف میں فارسی اردو ترجمہ میں وہ پیرا ساقط کر کے بیانیہ کا حصہ بنا دیا گیا۔

''**خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حاجا لخمس بقین من ذی العقدۃ فحج و نحر**

و خطب خطبته المشهورة'' کا ترجمہ فارسی ہے:''ہم درین سال آنحضرتؐ بست پنجم ذی قعدہ بہ پسیج کعبہ برخاست تاج ونحر فرمود، وخطبہ دراز بفرمود''۔''خرج حاجا''۔رسول اللہؐ خطبہ مشہورہ کے تراجم کے علاوہ فارسی جملہ کی ساخت متن کے معانی کی ترسیل سے قاصر ہے۔اردو ترجمہ ہے:''اسی سال ۲۵ ذی قعدہ کو آنحضرتؐ خانہ کعبہ کو تشریف لے گئے اور حج وقربانی کی اور ایک طولانی خطبہ ارشاد فرمایا: خطبہ مشہورہ کا اردو ترجمہ بہت دلچسپ ہے۔وفدو حج پر حواشی مترجم ہیں۔

ابتداء مرضہ ﷺ: کا واضح اور ضمیر کا اظہار کرنے والا ترجمہ عنوان فارسی واردو میں بنایا ہے:''وفات جناب رسول ﷺ'' جبکہ متن میں آغاز مرض کا ذکر ہے۔

اولین تین چار جملوں کا ترجمہ تسہیل وترسیل معانی کی قسم سے ہے:

''**ولما رجع رسول اللہ ﷺ من حجة الوداع اقام بالمدينة حتى خرجت سنة عشر**'':پیغمبر خدا ﷺ از حجۃ الوداع باز آمد بمدینۃ بماند، چون سال دہم بپایان آمد وسال یازدہم آغاز شد''۔اردو ترجمہ فارسی ترجمہ کا پابند ہے۔

وابتدأ به مرضه في اواخر صفر هذه السنة / در اواخر صفر آنحضرت ﷺ بر بستر بیماری افتاد''۔آغاز مرض کو بستر بیماری پر لٹانے سے تعبیر کیا۔اور من ہذہ السنۃ کو اولین جملہ کے تحت سمجھ کر ساقط کر دیا۔اردو ترجمہ نسبتاً متن کے قریب ہے:''تو اواخر صفر میں آنحضرتؐ بیمار ہو گئے۔''

خطبہ نبوی کے جملہ: **ولا يخش الشحناء من قبلي** کا ترجمہ ہے:''وہیچ نترسد کہ در دلم کینی پیدا شود''اردو ترجمہ فارسی کی پیروی میں ہے۔

وفاتہؓ: کی سرخی ساقط کر کے بیانیہ کو مسلسل بنا دیا کہ پہلے ہی وفات کا عنوان لگا چکے تھے۔

''**ولما ثقل واحتضر**'' کا ترجمہ کیا ہے:''چوں دم واپسیں رسید''۔اردو ترجمہ ہے: جب بیماری نے زیادہ ترقی کی۔

تاریخ وروز وسال وفات کے بعد عمر نبوی کا ذکر کیا ہے:''وآنحضرت شصت وسہ سال در جہان ماند'' جس کا ذکر متن میں اس مقام پر نہیں ہے۔بلکہ بالکل آخر میں ہے۔اردو ترجمہ ہے: ''بارہویں ربیع الاول ۱۱ھ روز دوشنبہ کے حضور نے (ترسٹھ سال کی عمر میں) اس دنیا سے رحلت فرمائی''۔

کتابہ: فارسی میں (دبیران آنجناب) کے عنوان سے اضافہ مرتب ہے۔اور اردو میں ہے:

''منشی وعمال''۔

نبذ من شمائلہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: فارسی عنوان ہے: ''لختی از شمائل پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم''۔

کان رسول اللہ احسن الناس خلقا، و اکملھم محاسنا و فضلا'' کا ترجمہ فارسی ہے۔ ''پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم درصورت ومعنی بہترین مردمان بود''۔ اردو میں یہی ہے۔

متن میں گیارہ شمائل کا ذکر ہے اور ترجمہ فارسی میں دس کا اور عربی تعبیرات کی روح وخوبصورتی فارسی میں نہیں آسکی۔ معانی کی ترسیل ہی ہے: ''**قد جمع من الحلم و الصبر و العفو و التواضع و الحیاء و المروءۃ و الرحمۃ و الوفاء و حسن الادب و السماحۃ و الشجاعۃ مالم یجتمع فی احد**''۔ ان کے فارسی متبادل ہیں: ''ازشکیب وبردباری ودرگذر وفروتنی وشرم ومردمی ومہربانی ومتانت و جواں مردی ودلیری دروگردآمدہ بود، احدی رامیسر نشدہ''۔ اردو ترجمہ متن سے قریب ہے ''آپ میں صبر، بردباری، درگذر، فروتنی، شرم، مروت، متانت، حسن ادب، جواں مردی دلیری اور دیگر صفات حسنہ الخ''۔

اسی طرح **فصیح اللسان، ذکی الحواس، معتدل الحرکات، حسن الشمائل** کے متبادل ہیں: ''شیواز بان وتیز ہوش وشیریں کار وخوش خوی بود''۔ اردو ترجمہ فارسی کا چربہ ہے۔

متن میں ہے: ''**و من عظیم خبرہ فی العفو**''۔ اس کا فارسی ترجمہ ہے: ''وازین بیش چہ توان بود'' جو سابق جملے سے ربط کے سبب ہے اور متن سے بے ربط۔

''**و کان طویل الصمت**'' کا ترجمہ ہے: ''وبیشتر خموش نشستی''۔ اردو ترجمہ ہے: آپ اکثر خاموش رہتے''۔

''**و یتفقد اصحابہ و یعطی کل جلسائہ نصیبہ**'' کا ترجمہ ہے: ''باہمہ ہم نشیں بہرچہ درخور بودی معاملت فرمودی''۔ اردو ترجمہ فارسی کے مطابق ہے۔

متن میں ''سراویل'' ہے جس کا ترجمہ ''پیراہنی'' کیا ہے۔ اردو میں بھی پیراہن ہے۔

متن عربی میں مدینہ کی کسی باندی کے ہاتھ پکڑ کر لے جانے کے عام واقعہ کو اردو ترجمہ میں خاص کیا ہے اور قوسین میں اضافہ کیا ہے ''(جو ضعیف العمر تھی)'' یہ صرف فرط تقویٰ سے کیا گیا ہے۔

(باقی)

''دیوان غالب جدید المعروف بہ نسخہ حمیدیہ''
(ایک تعارف)

پروفیسر آفاق حسین صدیقی

دیوان غالب جدید المعروف بہ نسخہ حمیدیہ مرتبہ مفتی محمد انوار الحق ڈائریکٹر تعلیمات ریاست بھوپال نے نواب زادہ محمد حمید اللہ خاں کی ایما پر مرتب کیا تھا۔ مرتب نے تمہید میں لکھا ہے:

''سب سے زیادہ شکر گزاری کے قابل عالی جناب معلےٰ القاب افتخار الملک نواب زادہ حاجی کرنل محمد حمید اللہ خاں صاحب بہادر بی، اے، سی ایس آئی چیف سکریٹری ریاست بھوپال ہیں، جن کی سچی قدردانی نے اس دیوان کو زیور طبع سے مزین کیا اور ملک وقوم کو اس سے بہرہ اندوز ہونے کا موقع دیا''۔ (تمہید، ص ۲۴)

خود حمید اللہ خاں نے نسخے کے پہلے صفحہ پر ''سرنامہ'' میں لکھا ہے:

''میں دلی مسرت سے میرزا غالب دہلوی کے دیوان اردو کا یہ جدید نسخہ ابنائے ملک کے سامنے پیش کرتا ہوں''۔ (سرنامہ، ص ۱)

محمد حمید اللہ خاں کے اسی تعلق کی بنا پر دیوان غالب جدید کو نسخہ حمیدیہ کہا جاتا ہے دیوان غالب جدید نسخہ حمیدیہ مفید عام اسٹیم پریس آگرہ میں محمد قادر علی خاں صوفی کے زیر اہتمام ۱۹۲۱ء میں شائع ہوا تھا۔

نسخہ حمیدیہ ۲۰×۲۶/۸ سائز کے دبیز کاغذ پر ۲۴۱ اوراق یعنی ۴۸۲ صفحات پر مشتمل ہے، اس میں صفحہ ۱ سے ۱۳۹ تک نثری مواد ہے، جس میں سرنامہ کے بعد صفحہ ۳ سے ۲۴ تک تمہید ہے۔ صفحہ ۲۵ سے صفحہ ۳۱ تک مفتی محمد انوار الحق کا تحریر کیا ہوا ڈاکٹر عبدالرحمٰن بجنوری پر مضمون ہے، صفحہ ۳۲

ڈی ۱۳۶، فردوس نگر، پی جی بی ٹی کالج روڈ، بینگلو، بھوپال ۴۶۲۰۳۸۔ (Mob:9229673388)

سے صفحہ ۱۳۹ تک یعنی ۱۰۷ صفحات میں ڈاکٹر عبدالرحمٰن بجنوری کا کلام غالب پر لکھا گیا عالمانہ تبصرہ ہے، جس کا پہلا جملہ ہے:

''ہندوستان کی الہامی کتابیں دو ہیں۔ مقدس وید اور دیوان غالب''

اور تبصرہ غالب کے اس شعر پر ختم ہوا ہے:

آئے ہے بے کسیٔ عشقِ پہ رونا غالب
کس کے گھر جائے گا طوفانِ بلا میرے بعد

نسخہ حمیدیہ میں ڈاکٹر عبدالرحمٰن بجنوری کا غالب کی شاعری پر عالمانہ تبصرہ جسے نسخہ کے سرورق پر ''مقدمہ'' درج کیا گیا ہے دراصل یہ تبصرہ نسخہ حمیدیہ کے لیے نہیں لکھا گیا تھا، بلکہ انجمن ترقی اردو ہند کے مجوزہ دیوان غالب کے لیے لکھا گیا تھا۔ ۱۹۱۴ء میں انجمن نے مرزا غالب کی شاعری کا ایک مکمل اور دیدہ زیب نسخہ شائع کرنے کا منصوبہ بنایا تھا، عبدالرحمٰن بجنوری کے یورپ سے واپسی کے بعد اس کی تدوین کا کام مولوی عبدالحق مرحوم نے ان کے سپرد کر دیا تھا، اس کام کی تکمیل کے لیے ڈاکٹر بجنوری سرگرم عمل ہو گئے تھے اور اسی کے ساتھ انہوں نے اس مجوزہ دیوان غالب کے لیے مقدمہ بھی لکھنا شروع کر دیا تھا لیکن ۱۹۱۵ء میں سر راس مسعود کی فرمائش پر نظامی پریس بدایوں نے غالب کا ایک دیوان شائع کر دیا جس کی بنا پر انجمن کا منصوبہ ٹھنڈے بستے میں چلا گیا تھا۔ جب دیوان غالب کا قلمی نسخہ مکتوبہ ۱۲۳۷ھ (۱۹۱۸ء) میں بھوپال میں دستیاب ہوا، اس وقت بجنوری ریاست بھوپال میں مشیر تعلیمات کے عہدہ پر فائز تھے، چنانچہ اس نسخہ کے دستیاب ہونے پر وہ ایک دفعہ پھر دیوان غالب کی تدوین کے سلسلہ میں سرگرم عمل ہو گئے اور انہوں نے ڈاکٹر عبدالحق سے اس سلسلہ میں خط و کتابت شروع کر دی تھی اور اس سلسلہ میں مولوی عبدالحق مرحوم نے انجمن کے نمایندہ کی حیثیت سے سید ہاشمی کو قلمی نسخہ کا جائزہ لینے کے لیے بھوپال بھیجا تھا اور سید ہاشمی نے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھا تھا:

''لوح اور خاتمہ کتاب کی عبارت نیز اشعار پر ایک ہی نظر ڈالنے کے بعد یہ تسلیم کرنے میں کوئی شبہہ نہیں رہتا کہ یہ مرزا مرحوم کا ہی کلام ہے اور چونکہ بالکل ابتدائی زمانے میں نقل کر دیا گیا تھا، لہٰذا گو بعد کی غزلیں اس نسخے میں نہیں درج ہوئیں تاہم وہ ابتدائی کلام تمام و کمال محفوظ رہ گیا، جسے مرزا نے دیوان چھپواتے وقت خارج

اور تلف کر دیا تھا"۔ (دیوان غالب جدید نسخہ حمیدیہ، تبصرہ از سید ہاشمی "اردو" سہ ماہی اکتوبر ۱۹۲۲ء، ص ۴۰۷، منقول از غالبیات کے چند مباحث از ڈاکٹر ابو محمد سحر، ص ۶۶)

مئی ۱۹۱۸ء میں دستیاب ہونے والے قلمی نسخہ کی تصدیق ہونے کے بعد: ۴/اگست ۱۹۱۸ء کو ڈاکٹر بجنوری نے حمیدیہ لائبریری سے قلمی نسخہ دیوان غالب جاری کروالیا تھا۔ لیکن ۷/نومبر ۱۹۱۸ء کو ان کی ناگہانی وفات سے وہ تدوین کا کام نہیں کر سکے، ان کی وفات کے بعد قلمی نسخہ مفتی محمد انوار الحق کی تحویل میں آ گیا اور انہوں نے نواب زادہ محمد حمید اللہ خاں کی تحریک پر دیوان غالب جدید کی تدوین کا کام شروع کر دیا، مرزا غالب سے ڈاکٹر بجنوری کی غیر معمولی دلچسپی اور اس سلسلہ میں ان کی سرگرمیوں کے پیش نظر غالباً خراج عقیدت کے طور پر بجنوری کا تحریر کردہ تبصرہ دیوان غالب جدید کی دوسرے سرورق والی جلد میں شامل کیا گیا ہے اور رف سرورق پر ہی "مقدمہ" کا اندراج کیا گیا ہے۔ نسخہ حمیدیہ کے پہلے سرورق والی جلد جس پر اشاعت کا سن ۱۹۲۱ء خفیف قلم سے درج ہے، اس سرورق پر "مقدمہ" کا اندراج نہیں ہے۔ قیاس ہے کہ مفتی محمد انوار الحق کو یہ تبصرہ پہلے نہیں مل سکا ہوگا، اس لیے انہوں نے بغیر اس کو شامل کرائے جلدیں تیار کروالیں، لیکن جب یہ تبصرہ انجمن ترقی اردو کے سہ ماہی رسالے "اردو" کے پہلے شمارے جنوری ۱۹۲۱ء میں "محاسن کلام غالب" کے عنوان سے شائع ہوا تو انہوں نے دوسرے اور تیسرے سرورق والی جلدوں میں اس کو شامل کر لیا۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ نسخہ حمیدیہ کا پہلا اور دوسرا سرورق مفید عام پریس میں طبع ہوا ہے اور تیسرا سرورق گورنمنٹ پریس بھوپال میں طبع ہوا تھا۔ بجنوری کے اس مقدمہ کے سلسلہ میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اس تبصرہ میں دیوان غالب جدید کی ترتیب یا تدوین کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ اس کے علاوہ مفتی انوار الحق کی درج ذیل عبارت سے بھی ثبوت ملتا ہے، انہوں نے لکھا ہے:

> "جو کچھ لکھا گیا تھا وہ مروجہ اور مطبوعہ دیوان کے متعلق تھا اور اب ایک سو برس کے بعد قلمی دیوان میں غالب کا غیر مطبوعہ اور قلم زدہ کلام مل جانے سے میدان سخن فراخ ہو گیا تھا"۔ (عبدالرحمٰن بجنوری مرحوم، نسخہ حمیدیہ، ص ۲۹)

نسخہ حمیدیہ میں بجنوری کے عالمانہ تبصرے کے بعد کلام غالب کا اندراج دوبارہ صفحہ نمبر ۱، درج کر کے کیا گیا ہے۔ یہ حصہ ۳۴۲ صفحات پر مبنی ہے۔ پہلی غزل غالب کی مشہور اور تمام دواوین

میں درج پہلی غزل ہے، جس کا مطلع ہے:

نقش فریادی ہے کس کی شوخیٔ تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکر تصویر کا

نسخہ حمیدیہ میں درج اس غزل میں دو مقطع ہیں۔ ایک میں شاعر کا تخلص اسدؔ ہے:

وحشتِ خوابِ عدم شور تماشہ ہے اسدؔ
جو مزہ جوہر نہیں ، آئینۂ تعبیر کا

اور دوسرے مقطع میں تخلص غالبؔ ہے:

بسکہ ہوں غالبؔ اسیری میں بھی آتش زیر پا
موئے آتش دیدہ ہے حلقہ مری زنجیر کا

دراصل ''دیوان غالب جدید المعروف بہ نسخہ حمیدیہ'' غالب کے حذف شدہ اشعار اور مختلف مطبوعہ دواوین میں شامل اشعار اور دیگر دستیاب نسخوں میں شامل اشعار کا مجموعہ ہے۔ اس سلسلہ میں ڈاکٹر ابو محمد سحر نے لکھا ہے:

''حقیقت یہ ہے کہ غالب کا یہ دیوان نسخہ بھوپال متداول دیوان اور ان کے کچھ دوسرے مطبوعہ کلام کا مجموعہ ہے، جسے مفتی انوار الحق ڈائریکٹر تعلیمات بھوپال نے مرتب کیا تھا''۔ (کچھ نسخہ حمیدیہ کے بارے میں مشمولہ غالبیات کے چند مباحث از ڈاکٹر ابو محمد سحر، ص ۳۲)

نسخہ حمیدیہ میں شامل غالب کے جو حذف اشعار، غیر ترمیم شدہ اشعار شامل ہیں، یہ بھوپال میں دستیاب ہونے والے قلمی نسخے سے نقل کیے گئے۔ دیوان غالب کا یہ قلمی نسخہ مئی ۱۹۱۸ء میں حمیدیہ لائبریری بھوپال مولوی عبدالسلام ندوی کو قدیم شعرائے اردو کے کلام کی تلاش کے دوران میں دستیاب ہوا تھا۔ قلمی دیوان کے نسخے پر ثبت مہروں سے پتہ چلا تھا کہ قلمی نسخہ حمیدیہ لائبریری میں منتقل ہونے سے پہلے نواب فوجدار محمد خاں کے کتب خانے کی زینت تھا اور جب نواب فوجدار محمد خاں کی وفات کے بعد ان کے کتب خانے کی کتابیں حمیدیہ لائبریری میں منتقل ہوئیں تو ان کے ساتھ یہ قلمی نسخہ بھی حمیدیہ لائبریری میں آ گیا۔ قلمی نسخے مکتوبہ ۱۲۳۷ھ (۱۸۲۱ء) مرقومہ حافظ معین الدین میں منسوخ کلام کے ساتھ

ایسا کلام بھی درج تھا، جو متداول دواوین میں شامل تھا، اس طرح قلمی نسخے میں درج مرزا غالب کے اشعار کی تعداد ۲۵۳۶ ہے، جس کی تفصیل اس طرح ہے:

۴ قصائد مع فارسی قصیدہ	۲۶۶	شعر
۲۷۵ غزلیں	۱۸۷۵	شعر
۱۱ رباعیات	۴۴	شعر
حاشیے پر درج ۶ غزلیات	۱۴۱	شعر
متفرق اشعار	۱۳۹	شعر
آخری اوراق پر درج ۷ غزلیات	۷۱	شعر
کل	۲۵۳۶	اشعار

ان اشعار میں سے فارسی قصیدے کے ۶۰ اشعار منہا کر کے کل اردو اشعار کی تعداد ۲۴۷۶ ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے اس قلمی نسخہ میں ۱۶۴۰ حذف شدہ اشعار کے علاوہ متداول دیوان میں درج ۸۳۶ اشعار شامل تھے۔

قلمی نسخہ بھوپال مکتوبہ ۱۲۳۷ھ مارچ ۱۹۲۴ء تک مفتی محمد انوار الحق کی تحویل میں رہا، اس کے بعد وہ ماہر غالبیات جنہوں نے اس نسخہ کو دیکھا اور جائزہ لیا ان میں ڈاکٹر عبداللطیف حیدرآباد، پروفیسر حمید احمد خاں لاہور اور مولانا امتیاز علی خاں عرشی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ مولانا امتیاز علی خاں عرشی نے جنوری ۱۹۴۴ء میں انجمن ترقی اردو کے ناگپور اجلاس سے واپس جاتے ہوئے بھوپال میں قیام کیا تھا اور اس نسخہ کا تفصیلی جائزہ لیا تھا، جس کا تفصیلی تذکرہ انہوں نے نسخہ عرشی مطبوعہ ۱۹۵۸ء دیباچے میں کیا ہے، عرشی صاحب کے مطالعہ کے بعد سے یہ نسخہ لاپتہ تھا لیکن حال میں ہی ورجینا یونیورسٹی امریکہ کی ریسرچ اسکالر محترمہ مہر افشاں فاروقی نے نہ صرف اس گمشدہ قلمی نسخے کی بازیافت کی اطلاع دی ہے بلکہ انٹرنیٹ پر اَپ لوڈ کر دیا ہے۔

نسخہ حمیدیہ میں قلمی نسخہ دیوان غالب مکتوبہ ۱۲۳۷ھ کے ۲۵۳۶، اشعار کے علاوہ مفتی انوار الحق مرحوم نے غالب کے متداول دواوین کے نسخوں سے اور اشعار تلاش کر کے شامل کیے ہیں، جن کی تعداد ۱۰۱۸ ہے۔ اس طرح دیوان غالب جدید المعروف بہ نسخہ حمیدیہ مرزا غالب کے ۳۵۵۴،

اشعار کا مجموعہ ہے۔ان تمام اشعار میں سے فارسی قصیدے کے ۱۶۰ اشعار منہا کر کے اردو اشعار کی کل تعداد صرف ترمیم شدہ اشعار ملا کر ۳۴۹۴ ہے، جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

قصائد کی غزلوں کے ۱۶ شعر شامل کر کے غزلیات کے کل (صرف ترمیم شدہ) اشعار ملا کر تعداد	۲۹۸۸
پانچ اردو قصائد کے صرف ترمیم شدہ اشعار لا کر	۲۹۵
در صفت انبہ مثنوی کے اشعار	۳۳
قطعات کے اشعار	۵۰
رباعیات کے اشعار	۴۴
سہرے کے اشعار	۱۲
دیگر عنوانات کے تحت اشعار	۷۲
کل	۳۴۹۴

دیوان غالب جدید نسخہ حمیدیہ ۱۹۲۱ء تک مرزا غالب کے مطبوعہ دواوین میں اور اس وقت تک کے دستیاب شدہ قلمی نسخوں میں اس لحاظ سے بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ کیونکہ اس نسخہ میں تمام نسخوں سے زیادہ کلام کے ساتھ وہ کلام بھی شامل ہے، جسے غالب نے ۲۴ سال کی عمر میں اپنے دیوان کا قلمی نسخہ مرتب کرتے ہوئے اپنی شاعری سے حذف کر دیا تھا اور جس کے بارے میں انہوں نے مولوی عبدالرزاق شاکر کو اپنے ایک خط میں لکھا تھا:

''قبلہ ابتدائے فکر سخن میں بیدل و اسیر و شوکت کے طرز پر ریختہ لکھتا تھا۔ چنانچہ ایک غزل کا مقطع یہ تھا ؎

طرز بیدل میں ریختہ لکھنا
اسداللہ خاں قیامت ہے

۱۵/ برس کی عمر سے ۲۵/ برس کی عمر تک مضامین خیالی لکھا کیا۔ دس برس میں بڑا دیوان جمع ہو گیا۔ آخر جب تمیز آئی تو اس دیوان کو دور کیا۔ اوراق یک قلم چاک کیے، دس پندرہ شعر واسطے نمونے کے دیوان حال میں رہنے دیے''۔ (عود ہندی، طبع دوم،

اسرار کریمی پریس، الٰہ آباد، ۱۹۷۲ء، خط نمبر ۱۳، ص ۲۳۰)

نسخہ حمیدیہ میں غالب کے حذف شدہ اشعار ان کے قلمی دیوان مکتوبہ ۱۲۳۷ھ ۱۸۲۱ء مرقومہ حافظ معین الدین مملوکہ نواب فوجدار محمد خاں سے نقل کیے گئے تھے۔ ان اشعار کی کل تعداد ۱۶۴۰ ہے۔ ان کے علاوہ نسخہ حمیدیہ میں مذکورہ قلمی دیوان سے غالب کے ایسے ۱۵۵ اشعار بھی نقل کیے گئے، جو ترمیم کے بعد متداول دیوان میں شامل کیے گئے تھے، اس طرح نسخہ حمیدیہ کی بنا پر ماہرین غالبیات اور شائقین غالب کو غالب کے ۱۷۹۵ اشعار سے آگاہی کے مواقع میسر آئے۔ ۱۷۹۵ اشعار کی یہ تعداد غالب کی زندگی میں مطبع مفید خلائق آگرہ سے شائع ہونے والے دیوان غالب میں شامل اشعار کے برابر ہے، اس طرح نسخہ حمیدیہ کی اشاعت سے غالب کے ایک دیوان کے برابر اشعار سامنے آئے۔

اس کے علاوہ نسخہ حمیدیہ کی اشاعت سے مرزا غالب کے قلم زدہ اشعار سے شائقین غالب کو غالب کے گہرے تنقیدی شعور اور ان کے ذوق سخن کا بھی اندازہ ہوا۔ غالب نے اپنی شعر گوئی میں ابتدا سے آخر تک ترک واختیار کا عمل جاری رکھا اور اس عمل میں شاعری کے رموز ونکات سے غیر معمولی آگہی اور شعر کی معنویت کے ادراک کا ثبوت دیا۔ انہوں نے اپنے اشعار کی معنویت کے سلسلہ میں کہا ہے ؎

گنجینہ معنی کا طلسم اس کو سمجھئے
جو لفظ کہ غالب مرے اشعار میں آئے

اس میں شک نہیں کہ غالب کی شاعری میں گنجینہ معنی کا ایک طلسم پوشیدہ ہے ایسا ہی طلسم ان کی شخصیت میں بھی چھپا ہوا تھا اور ان کا فن بھی اس طلسم کا نمونہ ہے اور اپنی شاعری میں اپنے ہی کہے گئے اشعار کے انتخاب میں بھی ایک طلسم پوشیدہ ہے اور اس کا ثبوت ہے نسخہ حمیدیہ میں شامل ان کے اشعار۔ شعروں کے انتخاب نے غالب کو رسوا کیا ہو یا نہ کیا ہو، سچ تو یہ ہے کہ نسخہ حمیدیہ میں شامل ان کے قلم زد اشعار نے ان کی قدر ومنزلت میں اضافہ کیا ہے اور ان کی شاعری کے اور نئے پہلوؤں سے روشناس کرایا ہے۔

تاریخ افواجِ بھوپال
المعروف بہ تاریخ سلطانیہ انفنٹری (قلمی)
مختصر تعارف

جناب انوار صمدانی امروہوی

کسی بھی قوم کی بقا اس کے علمی آثار میں پنہاں ہوتی ہے، انہی علمی آثار میں ایک تاریخ افواج بھوپال المعروف بہ تاریخ سلطانیہ انفنٹری ہے۔ قبل ازیں میں زیر تذکرہ تاریخ پر خامہ سرائی کروں مناسب ہوگا کہ مولف تاریخ افواج بھوپال کا کچھ حال قارئین کی نذر کروں۔

اس تاریخی مخطوطہ کے مصنف بھوپال کے مشہور و معروف ترین اہل قلم علامہ ملا رموزی ہیں جنہوں نے اردو ادب میں ایک نئے اسلوب و نگارش کی بنا ڈالی اور علمی دنیا میں اپنا لوہا منوایا نیز موصوف نے تحریک گلابی اردو سے بھوپال کا ادبی ماحول بھی گلابی کر دیا۔

ملا رموزی کا پورا نام محمد صدیق تھا۔ والد کا اسم گرامی عنایت اللہ خاں المعروف محمد صالح تھا۔ (یہ بات ملا کے عزیز رفعت رموزی صاحب نے فون پر مجھے بتلائی تھی) ملا رموزی کی پیدائش شہر بھوپال کے چھاؤنی ولایتیان میں ۲۱ رمئی ۱۸۹۶ء کو ہوئی اور ابتدائی تعلیم بھوپال ہی میں حاصل کی۔ ڈاکٹر محمد نعمان خاں بھوپالی (دہلی) فرماتے ہیں:

> ''ملا رموزی ۲۱ رمئی ۱۸۹۶ء مطابق ۷ رذی الحجہ ۱۳۱۳ھ کو بھوپال میں پیدا ہوئے، یہیں رہ کر ابتدائی تعلیم حاصل کی، پھر کانپور کی مشہور علمی درس گاہ دار العلوم الٰہیہ سے فاضل الٰہیات کی اعزازی سند حاصل کی، ملا صاحب کے اساتذہ میں مولانا حسرت موہانی (م:۱۹۵۱ء)، عبد الحلیم شرر صدیقی (م:۱۹۲۶ء)، علامہ آزاد سبحانی اور علامہ محوی صدیقی

نزد جنوں والی مسجد، محلہ پچدرہ، امروہہ اتر پردیش۔ (موبائل: 9319581037,9557441990)

کے نام شامل ہیں''۔ (بھوپال میں اردو انضمام کے بعد، ص ۲۰۶)

''وہ شروع شروع میں محمد صدیق جوان کا اصلی نام تھا، کے نام سے لکھتے تھے، پھر یہ محمد صدیق توحیدی کے نام سے لکھنے لگے اور آخر میں انہوں نے ملا رموزی کا قلمی نام اختیار کرلیا''۔ (ایضاً، ص ۲۱۲)

ملا صاحب کی شخصیت اور ان کی اہمیت کے بارے میں نصر اللہ خاں (م ۱۹۷۶ء) ''کیا قافلہ جاتا ہے'' یوں رقم طراز ہیں:

''ملا رموزی باغ و بہار آدمی تھے، ایک زمانہ میں ملک میں کوئی اخبار یا رسالہ ایسا نہ تھا جس میں ملا صاحب کا مضمون نہ چھپتا ہو''۔ (بھوپال میں اردو انضمام کے بعد)

راقم السطور کے پاس بھی روزنامہ ''ندیم بھوپال'' کے ابتدائی شمارے موجود ہیں، نیز دیگر رسائل و جرائد بھی ہیں جن میں ملا رموزی کے مضامین اور شعری تخلیقات شائع ہوتی تھیں۔ نصر اللہ صاحب آگے رقم طراز ہیں:

''ملا صاحب ویسے تو سارے ہندوستان میں مشہور تھے، لیکن بھوپال اگر اپنے تال (تالاب) کی وجہ سے مشہور تھا تو اس کی شہرت کا باعث ملا صاحب بھی تھے''۔ (بھوپال میں اردو انضمام کے بعد)

پروفیسر رشید احمد صدیقی (م ۱۹۷۷ء) ملا رموزی کی تصانیف کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ملا صاحب کی تصنیفات بعض حیثیت سے بے مثل ہیں ان کو ایسی ایسی ظرافتیں بھی سوجھ جاتی ہیں جہاں بہ مشکل کسی کی رسائی ہوسکتی ہے جو نہایت درجہ دلکش اور پُرلطف ہوتی ہیں اور جہاں تک ہر شخص کا پہنچنا آسان نہیں ہے''۔ (بھوپال میں اردو انضمام کے بعد ص ۲۰۵)

شوکت رموزی ملا رموزی کی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتب کا ذکر اس طرح کرتے ہیں:

''کچھ کتابیں غیر مطبوعہ ہیں جن کے مسودے مکمل اور بہتر حالت میں موجود ہیں''۔

لفٹننٹ کرنل عبدالعزیز اپنے خط مکتوبہ ۲۳/۰ اپریل ۱۹۵۰ء (قلمی، غیر مطبوعہ) میں ملا صاحب کے علم اور ان کے مختصر تعارف میں لکھتے ہیں:

''حضرت ملارموزی علمی، ادبی حلقوں میں کسی تعارف کے محتاج نہیں البتہ ان کے اس خصوص کمال سے شاید لوگ کم واقف ہوں کہ ان کی نگاہ فوجی اور جنگی مسائل میں بھی کمال کا درجہ پائے ہوئے ہے''۔

اردو ادب بالخصوص گلابی اردو کا یہ درخشندہ ستارہ ۱۹۵۲ء میں ہمیشہ کے لیے آنکھوں سے اوجھل ہو گیا اور اپنی علمی ضیاؤں سے ہمیشہ کے لیے ادبی دنیا کو روشن کر گیا۔

''ایسا کچھ کر کے چلو تم کہ بہت یاد رہو''

تعارف مخطوطہ تاریخ افواج بھوپال بخط ملارموزی

ماہ اپریل ۲۰۱۶ء کے آغاز میں احقر اور برادر صغیر بایزید سلّمہ قدیم کتب اور دیگر پرانی اشیاء کی تلاش میں بھوپال پہنچے تو ہمیں وہاں کے ایک کتب فروش کی معرفت چند کتب بہ قیمت مل گئیں، یہ تمام کتب کباڑ کی شکل میں تھیں، بھوپال سے ہم اپنے وطن امروہہ ان کتابوں کو لے آئے اور ان کا مطالعہ شروع کیا تو ہمارے سفر کی تکان کافور ہو گئی، ان میں تاریخ افواج بھوپال المعروف بہ تاریخ سلطانیہ انفنٹری بھی تھی۔ اس وقت ہمارے والد گرامی الحاج جناب توفیق احمد قادری چشتی مرحوم (۹/اگست ۲۰۱۶ء) ماہر نوادرات و مخطوطات حیات تھے۔ اس تاریخ کے حوالے سے ہم نے کتب بینی شروع کی تو دیکھا ملا صاحب کی اس تاریخ کا کسی بھی مورخ نے کوئی ذکر نہیں کیا، لہٰذا اس تاریخ کا تعارف اور اہمیت قارئین کرام کی خدمت میں حاضر ہے۔

''تاریخ افواج بھوپال المعروف بہ تاریخ سلطانیہ انفنٹری نواب محمد حمید اللہ خاں مرحوم کے زمانہ میں لکھی گئی تھی، چونکہ نواب صاحب خود ایک سپاہی اور کمانڈر تھے۔ کرنل سردار عبدالعزیز نواب صاحب مذکور کو اپنے خط مکتوبہ ۳۰/اپریل ۱۹۵۰ء میں کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں:

''میں نے اس جذبۂ وفاداری سے بھوپال سلطانیہ انفنٹری کی حضورِ معلیٰ کے عہد تک کی خدمات جنگ کی ایک مختصر تاریخ کرائی ہے کہ موجودہ انقلابات اور آنے والے انسان بھوپال کی صد سالہ کی خدمات جنگ اور محترم فرمان روایانِ بھوپال کے جنگی کرکٹر کو فراموش نہ کر سکیں۔

اس تاریخ کے اردو، ہندی اور انگریزی ایڈیشن شائع کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

حضور معلےٰ کے عہد تاج داری تک حضور معلیٰ کی کمانڈ میں یورپ، افریقہ، ایشیاء اور ہندوستان کے ہر مذہب، ملت کے انسانوں کی حفاظت اور معاہدات کی پابندی کے لیے حضور معلیٰ کے جاں نثاروں نے حدود یونان وفرانس میں اپنا خون بہا کر جس عظیم الشان کرکٹر کو دنیا کے عظیم المرتبہ جنگی لیڈروں سے منوایا ہے، وہ ہرگز اس کا مستحق نہیں ہے کہ ہمارے بعد تاریخ وطن ہندوستان اور دوسری تاریخوں میں محفوظ نہ رہے یا بھلا دیا جائے..... اگر ہم خود اپنے کارناموں کو محفوظ نہ کر گئے''۔

کرنل عبدالعزیز مخطوطہ کے صفحہ ۱/ پر تحریر فرماتے ہیں:

پس اپنے بزرگوں کی بھی سپاہیانہ اور جاں نثارانہ سیرت مجھے ملی اور میں اپنے اس خاندانی تاثر سے شروع عمر ہی سے فوجی زندگی کا شائق تھا۔ الحمدللہ! کہ حضور قدر قدرہ اعلیٰ حضرت نواب محمد حمیداللہ خاں بہادر بہ القابہ کی خسروانہ مرحمت وشفقت سے مجھے اپنے پیدائشی ذوق کے مطابق فوجی زندگی میں داخل ہونے کا موقع ملا''۔

زیر نظر مخطوطہ کے صفحہ ۳/ پر مزید فرماتے ہیں:

''مذکورہ بالا ارادہ کو تحریر میں لاتے وقت مجھے خاص خوشی یہ ہے کہ میرے عظیم ذمہ دارانہ کاموں کے پیش نظر اتنی عظیم یادگار کتاب کی تالیف کے لیے مجھے میرے ملک ہی سے ایک ایسا صاحب قلم مل گیا جو ہندوستان کے گوشے گوشے میں ملار موزی کے نام سے مقبول ومشہور ہے''۔

کرنل صاحب اپنے مذکورہ خط مکتوبہ ۳۰/اپریل ۱۹۵۰ء میں لکھتے ہیں:

''اس تاریخ کی تحریر کے لیے میں نے ملار موزی کی خدمات کو حاصل کیا ہے جو آل انڈیا فیم کے اہل قلم ہیں۔ ان کو جنگی نفسیات ومعلومات پر جو عبور حاصل ہے، اس کا اثر ہے کہ ہمارے مختصر سے ریکارڈ کو انہوں نے اپنے معلوماتی اضافوں سے بیش قیمت تاریخی اہمیت دی۔ انھوں نے ہمارے دیے ہوئے وقت کی قلت کے باوجود بے شمار اخباروں، کتابوں اور مختلف تحریروں سے ''تاریخ افواج بھوپال'' کا اتنا عظیم اور نادر ذخیرہ فراہم کرلیا ہے.....اگر حضور معلیٰ کی سرپرستی حاصل ہوگئی تو

ملار موزی بھوپال کی سہ صد سالہ فرماں روائی کی عہد بہ عہد فوجی تاریخ مرتب کر دیں گے۔ ان کے دماغ کی جس صلاحیت کو میں نے بے حد پسند کیا ہے کہ انہوں نے تاجدار بھوپال اور افوان بھوپال کو تمام ہندوستان کا مسئلہ بنا دیا ہے اور انہوں نے اپنے ہر حاشیہ میں بھوپال اور فرماں روائے بھوپال کا وہ جذبۂ بے تعصب دکھایا ہے۔

حضور عالی (نواب حمید اللہ خاں صاحب) کے احکام اور ہدایات کو حاصل کر کے اس عظیم تاریخ کو مزید اضافوں اور حواشی سے مزین کیا جائے''۔

ذہن نشین رہے کہ مذکورہ خط کرنل عبدالعزیز صاحب نے نواب حمید اللہ خاں صاحب کو ۳۰/ اپریل ۱۹۵۰ء میں اس تاریخ کو لکھنے کے لیے تحریر کیا تھا۔ چنانچہ ملار موزی کی خدمات مذکورہ تاریخ کے لیے کرنل صاحب نے حاصل کی، انہی خدمات کا صفحہ ۳ پر اعتراف فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

''شاید لوگ کم واقف ہوں کہ ان کی نگاہ فوجی اور جنگی مسائل میں بھی کمال کا درجہ پائے ہوئے (ہے) ہیں''۔

کرنل صاحب ملار موزی کا شکریہ ادا کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''میں موصوف کا شکر گزار ہوں کہ موصوف نے اس تاریخ کی تدوین میں کمال درجہ فوجی واقفیت اور خلوص عمل سے میری امداد فرمائی''۔ (مخطوطہ تاریخ افواج بھوپال، از ملار موزی، ص ۴)

۱۹۵۰ء میں کرنل عبدالعزیز صاحب نے اس کتاب کو تیار کرانے پر اپنی جیب خاص سے ایک ہزار روپے خرچ کیے تھے، مزید خرچ کے لیے نواب صاحب کو عرضی دی تھی، چنانچہ فرماتے ہیں:

''میں نے اپنی گنجائش سے تقریباً ایک ہزار روپیہ اس تاریخ کی لکھائی اس کے ذخائر کو اخباروں، کتابوں اور دفاتر سے تلاش کر کے فراہم کرنے پر صرف کیا ہے اور اس سے زیادہ کے لیے میری مقدرت نے جواب دے دیا۔ ہماری کوشش ادھوری بلکہ ناکام رہے گی جب تک حضور معلیٰ اس تاریخ کو ملاحظہ فرما کر ہماری اعانت اور سرپرستی نہ فرمائیں گے۔

اس لیے پُرجوش التماس ہے کہ ہماری تاریخ کے ان صفحات پر بین الاقوامی

شہرت کے برطانوی لیڈروں کے قلمی ریویوز حضور معلیٰ کے ذریعہ حاصل کر کے اس تاریخ کو آنے والوں تک پہنچا دیا جائے۔

اس کی عبارت اور واقعات کو موجودہ حالت کے عین مطابق اس اہتمام سے لکھا ہے کہ موجودہ عہد کے عوام متاثر ہوں''۔

ملا رموزی اپنی اس قلمی غیر مطبوعہ تاریخ کے صفحہ ۲۱ پر رقم طراز ہیں:

''مجھ سے دسمبر ۱۹۴۹ء میں کام کے آغاز کو کہا گیا اور اپریل ۱۹۵۰ء میں ختم کر دینے کو''۔

ملا صاحب نے صرف پانچ ماہ میں اس ضخیم تاریخی کتاب کو مکمل کر دیا تھا، لہٰذا مخطوطہ کے صفحہ ۲۱ پر ملا صاحب رقم طراز ہیں:

''اب ان پانچ ماہ میں مجھے اس تاریخ کے لیے جس ترتیب و تصدیق کے لیے برسوں فرصت درکار تھی اور جس کے ریکارڈ کی سرکاری صحت لیے ہوئے فراہمی کے سلسلے میں بجائے ایک کام کے دو کام کرنا پڑے یعنی ایک تاریخ لکھنا، دوسرے واقعات تاریخ کا بھی فراہم کرنا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ مجھے شبانہ روز کی دماغ سوز محنت میں مبتلا ہونا پڑا اور فوجی دفتر کی چند سطری اطلاع پر مجھے جغرافیہ، مقامات جنگ اور اطلاعات جنگ کے لیے انبار انبار اخباروں میں کھونا پڑا''۔

صفحہ ۲۲ پر اس طرح لکھتے ہیں:

''یہ تمام مشکلات اس لیے پیش آئیں کہ مجھے پلٹن کی طرف سے صرف ایک ڈائری مرتبہ جناب میجر عبدالرؤف خاں صاحب دی گئی تھی جس کے ضروری حواشی اور متعلقات کی فراہمی کے لیے مجھے جناب ابرار احمد صاحب دے گئے تھے''۔

ملا رموزی اس تاریخی مخطوطہ کے آخری عنوان ''ختم کتاب اور میدان جنگ'' صفحہ ۲۲۱ پر رقم طراز ہیں:

''آج کے ''سلطانیہ انفنٹری'' بھوپال کی از اول تا آخر داستاں ختم ہو رہی ہے''۔

مخطوطہ کے آخری ص ۲۲۵ پر کتاب کا اختتام ملا صاحب ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''سلطانیہ انفنٹری کے افسران اور سپاہی دن و رات سنگین تانے کھڑے ہیں.....ریاست بھوپال اور ہندوستان کی حفاظت کے لیے کمر بستہ ہوئے تھے، آج اسی سلطانیہ انفنٹری کی اس کتاب کے آخری دنوں میں بھی وہ اپنے بھوپال اور اپنے ہندوستان کے بے قصور انسانوں اور اپنی مرکزی حکومت ہند کی جاں نثاری کے لیے گولی کھانے اور گولی چلانے کے لیے اسی میدان میں کھڑے ہوئے ہیں جہاں کے لیے سر دینے کا ان کے اسلاف اور خود انہوں نے وعدہ کیا تھا۔ پس سلطانیہ انفنٹری کے اس وفادارانہ کردار پر میں ان جملہ افسران اور سپاہیوں کو مبارک باد کہنے پر اس کتاب کو ختم کرتا ہوں''۔

اپریل ۱۹۵۰ء ملا رموزی

ملا صاحب اس تاریخ کے لکھنے یا عالم وجود میں لانے کے محرک اول جناب کرنل عبدالعزیز صاحب کو بتاتے ہوئے لکھتے ہیں:

''آخر میں جناب گرامی لفٹنٹ کرنل سردار عبدالعزیز خاں صاحب کمانڈنٹ سلطانیہ انفنٹری بھوپال کو شکریہ کے ساتھ مبارک باد دیتا ہوں کہ وہ اس ''فوجی تاریخ'' کے محرک اول ہیں''۔ (تاریخ افواج بھوپال، ص ۲۳)

شوکت رموزی ملا رموزی صاحب کی کتابوں کے متعلق لکھتے ہیں:

''کچھ کتابیں غیر مطبوعہ ہیں جن کے مسودے مکمل اور بہتر حالت میں موجود ہیں، ڈاکٹر محمد نعمان خاں صاحب بھوپالی (دہلی) اپنی تصنیف ''بھوپال میں اردو انضمام کے بعد'' صفحہ ۲۰۷ پر ملا صاحب کی تصنیف کردہ کتب کے لیے فرماتے ہیں ''ملا صاحب کی تمام کتب اب دستیاب نہیں ہیں''۔

مذکورہ حوالوں کی روشنی میں معلوم ہوا کہ اس تاریخ کا علم کسی محقق کو نہیں تھا یا نہیں ہے۔ حالانکہ ڈاکٹر صاحب نے ۲۰۱۶ء میں ایک مونوگرام ''ملا رموزی'' مرتب کر کے قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان دہلی سے شائع کیا ہے۔ اس میں بھی اس تاریخ افواج بھوپال کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔

بلکہ میرا خیال ہے کہ علمی حلقہ میں ملا صاحب کی اس تاریخ کا دور دور بھی تذکرہ نہیں ہے۔ محترم

ڈاکٹر صاحب موصوف سے اس سلسلہ میں فون پر گفتگو ہوئی تھی تو انہوں نے بتایا کہ یہ تاریخ غیر مطبوعہ ہے۔ اس سلسلہ میں ملا رموزی صاحب کے صاحبزادے جناب رفعت رموزی صاحب نے فون پر مجھ سے اس تاریخ کے عکس کی خواہش ظاہر کی تھی اور انہیں میرا پتہ ڈاکٹر صاحب موصوف نے دیا تھا۔

عجب اتفاق ہے کہ تاریخ افواج بھوپال ملا صاحب نے اپریل ماہ میں ہی مکمل کی تھی اور اپریل ۲۰۱۶ء میں ہی ۶۶ برس کے بعد احقر کو بھوپال ہی سے بہ قیمت دستیاب ہوئی۔

بقول کرنل عبدالعزیز صاحب اس عظیم تاریخ کو مزید اضافوں اور حواشی سے مزین کیا جائے۔ یہ مکمل مخطوطہ خود ملا صاحب کے قلم سے لکھا ہوا ہے۔ باقی حالات اہل تحقیق پر چھوڑے جاتے ہیں۔

کیفیت مخطوطہ مذکورہ

نام	:	تاریخ افواج بھوپال المعروف بہ تاریخ سلطانیہ انفنٹری
مولف وکاتب	:	ملا رموزی
کتابت	:	اپریل ۱۹۵۰ء
صفحات	:	۲۳۴
کاغذ	:	مشینی
سائز کاغذ	:	33x15cm
سائز متن	:	30x20cm
زبان	:	اردو
خط	:	نستعلیق
روشنائی	:	سیاہ
خط	:	کرنل عبدالعزیز منسلک مذکورہ مخطوطہ
مسطر	:	ملا صاحب کی مرتب کردہ تاریخ افواج بھوپال کا یہ واحد نسخہ ہے۔ میری دانست میں دوسرا کہیں نہیں ہے۔
نوٹ	:	تاریخ افواج بھوپال کا یہ نسخہ کاغذ کے ایک طرف (One Side) لکھا ہوا ہے۔

اخبار علمیہ

''اسلاموفوبیا کے موضوع پر ایک کانفرنس کا انعقاد''

مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ کے زیر اہتمام شہر ہیلی فیکس میں ۴۰ویں اسلامی دعوت کانفرنس منعقد ہوئی جس کا موضوع ''اسلاموفوبیا۔ اسباب وحقائق اور ہماری ذمہ داریاں'' تھا۔ اس بروقت اور ضروری کانفرنس میں شریک مقامی اور بیرونی علما اور دانشوروں نے اسلاموفوبیا کے اسباب ومقاصد اور اس سے نمٹنے کی تدابیر پر خاص طور پر غور کیا۔ مندوبین وشرکائے اجلاس نے عالمی سطح پر بالخصوص مغربی ممالک میں اسلاموفوبیا کے تحت مسلمانوں اور اسلام کے خلاف بڑھتی ہوئی نفرت کی فضا اور آئے دن باحجاب مسلم خواتین پر کیے جانے والے حملوں پر اپنی تشویش کا اظہار کرتے ہوئے ان واقعات کو انسانی، اخلاقی اور بین الاقوامی قوانین کے خلاف قرار دیا۔ اس کی سخت الفاظ میں مذمت کی اور متفقہ طور پر حکومت سے مطالبہ کیا کہ نفرت پر مبنی معاشرے کی تشکیل میں سرگرم عناصر کی سرکوبی کو اپنی ترجیحات میں شامل کرے۔ شرکائے کانفرنس نے اسلاموفوبیا کے متعدد اہم اسباب میں اسلام کی حقیقی تعلیمات سے ناواقفیت، دینی احکام ومسائل کے خلاف مقامی اور عالمی ذرائع ابلاغ کی جانب سے عمداً پھیلائی جانے والی غلط فہمیوں کی تشہیر اور دنیا کے مختلف ملکوں میں اسلام کے نام پر کی جانے والی انتہاپسندی اور دہشت گردی کو قرار دیا ہے۔ ایسے جاں گسل اور سخت ترین حالات میں کانفرنس نے امت پر یہ ذمہ داری عائد کی ہے کہ اجتماعی وانفرادی ہر سطح پر دین کے حقیقی پیغام کو عام اور اس فریضہ کی ادائیگی کو اپنی ترجیحات میں شامل کیا جائے۔ اسلام میں دہشت گردی، انتہاپسندی، اسلام اور غلامی، اسلام میں عورت کا مقام ومرتبہ، اسلام اور دیگر آسمانی مذاہب میں موجود مماثلت، حضرت عیسیٰؑ کا مسلمانوں میں مقام ومرتبہ وغیرہ جیسے موضوعات پر خصوصی سمینار اور کانفرنسیں منعقد کی جائیں اور ان کانفرنسوں میں حکومتی عہدے داروں، تعلیمی اداروں کے اساتذہ، علمی اداروں کے سربراہوں اور دیگر غیر مسلم علمی، ادبی اور سیاسی شخصیات کی شرکت اور ان اجتماعات کی تفصیلی رپورٹ کی مقامی اور ملکی انگریزی میڈیا میں نمایاں انداز میں اشاعت کو یقینی بنایا جائے۔ نوجوان نسل کی دینی تربیت پر خصوصی توجہ دی جائے، جمعہ کے خطبات اور دینی پروگراموں میں انگریزی زبان کو ترجیح دی جائے۔ اس کے علاوہ کانفرنس نے تمام

علمائے کرام، مسلم تنظیموں اور قائدین ملت کو پورے اخلاص اور شرح صدر کے ساتھ اس بات کی دعوت دی کہ وہ مسلکی اختلافات ونظریات بالائے طاق رکھتے ہوئے عہد حاضر کے اس قسم کے فتنوں کی مشترکہ طور پر سرکوبی کے لیے اتحاد ویکجہتی کے ساتھ کمر بستہ ہوجائیں۔ (تفصیل صراط مستقیم، برمنگھم، اگست ۲۰۱۷ء میں ملاحظہ فرمائیں)

''اردو لغت (تاریخی اصول پر) کا موبائل وآن لائن ورژن''

بابائے اردو مولوی عبدالحق مرحوم کو اردو لسانیات ولغت سے خاص دلچسپی تھی۔ ۱۹۵۸ء میں ان کی کاوشوں سے اردو لغت بورڈ، کراچی کا قیام عمل میں آیا۔ جس کا مقصد آکسفورڈ انگلش ڈکشنری کے طرز پر اردو کی ایسی لغت تیار کرنا تھا جو محض الفاظ ومعانی کا انبار نہیں بلکہ ہمارے تہذیبی وتاریخی سفر کی آئینہ دار بھی ہو، اس منصوبہ سے دلچسپی رکھنے والے جانتے ہیں کہ یہ مہم ۵۲ برس بعد ۲۰۰۷ء میں اس وقت پوری ہوئی جب اس کی ۲۲ ویں اور آخری جلد شائع ہوئی۔ بڑی تقطیع کی ایک ایک ہزار صفحوں پر مشتمل اس لغت کی ۲۲ جلدوں کو خریدنا، ساتھ میں رکھنا اور اس سے استفادہ یقیناً ایک دشوار ترین مرحلہ تھا۔ اس کے آغاز وتکمیل کی طویل مدت میں بعض مطبوعہ جلدوں کا ختم ہوجانا بھی ممکن تھا۔ خبر ہے کہ عام آدمی کی سہولت اور آسانی کی خاطر اردو لغت بورڈ کے موجودہ سربراہ عقیل عباس جعفری نے اس کا موبائل اور آن لائن ورژن لانچ کردیا ہے اور اب وہ آن لائن دستیاب ہے۔ (راشٹریہ سہارا، ۲۴/جون ۲۰۱۷ء بحوالہ اردو دنیا، اگست ۲۰۱۷ء)

''صفر کے متعلق ایک نیا انکشاف''

صفر کی دریافت، ریاضی میں ایک عظیم کامیابی اور اس کی تاریخ کے لیے بہت اہم تصور کی جاتی ہے۔ قدیم ہندوستان میں نقطے یا ڈاٹ کا استعمال ہوتا تھا جو بتدریج صفر بنا۔ کاربن ڈیٹنگ سے معلوم ہوا ہے کہ اپنی حالیہ شکل میں صفر کا ہندسہ موجودہ اندازوں سے کہیں پہلے ایک قدیم ہندوستانی مخطوطہ میں استعمال ہوا تھا۔ ماہرین نے یہ خیالات بخشالی مخطوطہ میں صفر کے استعمال کو دیکھ کر ظاہر کیے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ بخشالی مخطوطہ تیسری یا چوتھی صدی کا ہوسکتا ہے جو آکسفورڈ میں محفوظ اس مخطوطے سے بھی قدیم ہے جس کا تعلق ہندوستان کے شہر گوالیار کے مندر سے ہے اور جس میں صفر کے استعمال کو

اب تک سب سے قدیم مانا جاتا تھا۔ بوڈلیٹن لائبریری سے وابستہ رچرڈ اوو ینڈن کا کہنا ہے کہ یہ مخطوطات برج کے ۷۰ پتوں اوراس کی چھال پر مبنی ہیں جو پشاور کے قریب واقع بخشالی نامی گاؤں سے ایک کسان کو ملے تھے۔ بعد میں انہیں ہندوستان پر تحقیق کرنے والے برطانوی محقق رولف ہورنیل نے لے لیا تھا اور ۱۹۰۲ء میں بوڈلیٹین لائبریری کو سونپ دیا تھا۔ بوسیدگی کے سبب ماضی کے محققین کو اس کی صحیح تاریخ کے تعین میں بڑی دشواری کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ (تفصیل انقلاب، ۱۷ر ستمبر ۲۰۱۷ء میں ملاحظہ فرمائیں)

''لشکر فرعون کی باقیات برآمد''

حضرت موسیٰؑ اوران کی قوم کا تعاقب کرتے ہوئے فرعون اوراس کے لشکر کا سمندر میں غرق ہونے کا معجزاتی واقعہ قرآن مجید سمیت تقریباً تمام آسمانی کتابوں میں مذکور ہے۔ ابھی حال ہی میں سویڈش سائنس دانوں کی ٹیم کو بحیرہ احمر (Red Sea) کی تہہ سے فرعونی لشکر کی باقیات اور تلواروں سمیت متعدد ایسے شواہد ملے ہیں جس سے قرآن مجید کے بیان کردہ اس معجزہ کو تسلیم کرنے کے سوا سائنس دانوں کے پاس کوئی چارہ نہیں۔ سویڈن سائنس داں ڈاکٹر رینارٹ مولر نے اپنی تحقیقی ٹیم کے ساتھ مصر کے ساحل پر ایک مخصوص مقام سے سمندر کی تہہ میں آثار قدیمہ کی تلاش شروع کی اور وہ تمام حیرت انگیز شواہد اپنی آنکھوں سے دیکھے جو آج بھی حضرت موسیٰؑ کے معجزے کا ثبوت فراہم کرتے ہیں۔ رپورٹ کے مطابق آج بھی ٹوٹے پھوٹے رتھ اوران کے مذہّب پہیے، ہزاروں برس قدیم تلواریں اور دیگر قدیم اسلحے پراگندہ پڑے ہیں۔ ان آلات حرب وسفر کے علاوہ انسانوں اور گھوڑوں کی ہڈیاں بھی بڑی تعداد میں مجتمع ملی ہیں۔ ڈاکٹر مولر کے بیان کے مطابق ان اشیا کی تہہ آب موجودگی کا اس کے سوا اور کیا مطلب ہوسکتا ہے کہ یہ لشکر فرعون کے باقیات وآثار ہیں۔ ڈاکٹر مولر نے خاص اس موضوع پر The Exoudus Case کے نام سے کتاب بھی لکھی ہے جو ان کے پیش رو ماہر آثار قدیمہ ڈاکٹر ران وائٹ کی تحقیق پر مہر تصدیق ثبت کرتی ہے۔ جس میں انہوں نے صاف طور پر لکھا تھا کہ میں نے فرعونی لشکر کے باقیات کو سمندر کی تہہ میں دیکھا تھا اوراس کی تصویریں بھی لی تھیں۔ (برطانوی اخبار، ڈیلی اسٹار بحوالہ منصف، حیدرآباد، ۸ر ستمبر ۲۰۱۷ء)

ک ص اصلاحی

باب التقریظ والانتقاد

عربی مخطوطات اور کتابیات کے لیے ڈاکٹر احمد خان کی خدمات

ڈاکٹر عارف نوشاہی

''یہ مضمون میں اپنے دیرینہ بزرگ دوست، ہم وطن، ہم زبان، ہم سفر اور ہم پیشہ ڈاکٹر احمد خان کے کچھ ذاتی حالات اور علمی خدمات کے بیان میں لکھ رہا ہوں، جو گذشتہ نصف صدی سے پاکستان میں عربی ادب، مخطوطات اور کتابیات کے لیے ''نہ ستائش کی تمنا، نہ صلے کی پروا'' کے مصداق، بے نیازی سے کام کیے جارہے ہیں۔ شاید پاکستان میں ان کی وہ پہچان اور قدر نہ ہوسکی جو عرب ممالک میں ہے۔ اس کا میں خود ایک بار عراق میں شاہد رہا ہوں جہاں عرب محققین ان کے اردگرد جمع رہے اور ان سے مصاحبہ کرتے رہے۔ میں نے مضمون کے ابتدا میں ڈاکٹر صاحب سے اپنی کئی نسبتیں جوڑی ہیں تو اس کی توجیہات بھی ہیں۔ ان سے میری ہم وطنی دو اعتبار سے ہے۔ ان کا آبائی وطن منڈی بہاء الدین ہے، جو میرے آبائی وطن ساہن پال شریف سے کوئی ۲۵ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے اور ہمارا گاؤں، ضلع منڈی بہاء الدین ہی میں واقع ہے؛ اب وہ اسلام آباد میں مقیم ہیں تو یہاں بھی میں ان کا ہم شہری ہوں۔ ان کی اور میری مادری زبان پنجابی ہے اور لہجہ بھی ایک ہے۔ ہم ایک دوسرے سے اسی زبان میں مخاطب ہوتے ہیں۔ ہم دونوں ''موتمر التراث المخطوطات: فکر و حضارۃ'' (بہ اہتمام العتبہ العباسیہ المقدسہ، کربلا، ۵-۴/اکتوبر ۲۰۱۵ء) میں شرکت کے لیے ہم سفر ہوکر عراق گئے اور ہفتہ بھر ساتھ رہے۔ اس سفر اور ڈاکٹر صاحب کی صحبت کا احوال میں نے اپنے سفرنامہ ''عزم سیر نجف وطوف حرم ہے ہم کو'' (مطبوعہ الایام، کراچی، جنوری تا جون ۲۰۱۶ء، ص ۱۸۹-۲۰۸؛ مکرر اشاعت: دبیر، کاکوری، جلد ۳، شمارہ ۴، اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۶ء، ص ۵-۲۴)

ادارۂ معارف نوشاہیہ، اسلام آباد۔

میں لکھا ہے۔ڈاکٹر صاحب کا ذوق اور پیشہ مخطوطات اور کتابوں کی فہرست نگاری ہے۔ جو کام ڈاکٹر صاحب عربی کے لیے کرتے آئے ہیں وہی میں فارسی کے لیے انجام دے رہا ہوں۔میری ڈاکٹر صاحب سے شناسائی ۱۹۷۴ء کے بعد ہوئی جب میں کتب خانۂ گنج بخش مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان اسلام آباد سے وابستہ ہوا اور وہ کتب خانۂ ادارۂ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد میں کتاب دار تھے۔بعد میں ڈاکٹر صاحب نے کتب خانہ گنج بخش کے عربی مخطوطات کی فہرست نویسی بھی کی۔جب وہ اپنا کام ختم کر چکے تو ان کی قدردانی کے لیے جنوری ۲۰۱۴ء میں کتب خانہ گنج بخش میں ایک تقریب منعقد ہوئی اور انہیں توصیفی سند اور ایرانی غالیچہ پیش کیا گیا۔ڈاکٹر صاحب آج کل اسلام آباد (۳۲۳۔ شہزاد ٹاؤن) میں سکونت پذیر ہیں۔شمسی تقویم کے مطابق وہ یکم نومبر ۲۰۱۷ء کو ۸۲ سال کے ہو جائیں گے۔ ماشاء اللہ وہ تندرست اور فعّال ہیں۔ان کی تندرستی کا ایک راز، بلا ناغہ روزانہ صبح اور شام کی سیر ہے۔اللہ تعالیٰ ان کی بقیہ عمر مزید بابرکت بنائے اور وہ اپنے دیگر علمی منصوبوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچائیں۔آمین ثم آمین''۔

ڈاکٹر احمد خان (اس کے بعد: ڈاکٹر صاحب) یکم نومبر ۱۹۳۵ء (مطابق ۴؍شعبان ۱۳۵۴ھ) کو بہ مقام مونگ پیدا ہوئے۔ یہ جگہ اس زمانے میں ضلع گجرات (پنجاب) میں شامل تھی۔ ۱۹۹۳ء میں منڈی بہاء الدین کو ضلع ہیڈ کوارٹر کا درجہ ملا تو مونگ اس کی ضلعی حدود میں آ گیا۔منڈی بہاء الدین سے مونگ کا فاصلہ تقریباً ۳ کلومیٹر ہے۔ڈاکٹر صاحب کے والد گرامی کا نام علی محمد (وفات: ۱۹۷۶ء) ہے جن کی سات اولادیں (دو بیٹیاں، پانچ بیٹے) ہوئیں۔ڈاکٹر صاحب ان میں خود سے بڑی ایک بہن کے بعد، دوسری اولاد ہیں۔ان کے دیگر چھوٹے بھائیوں کے نام یہ ہیں: محمد شریف مرحوم، محمد لطیف مرحوم، محمد بشیر، محمد نذیر۔ ۱۹۵۰ء کے لگ بھگ ان کے والد صاحب موضع مونگ سے منڈی بہاء الدین کے ایک تازہ آباد محلے، صوفی پورہ میں آ گئے جہاں ان کا آبائی مکان اب بھی موجود ہے۔یہ محلہ، صوفی محمد الدین اعوان (۱۸۸۱۔ ۱۹۶۴ء) مدیر رسالہ ''صوفی'' و مالک صوفی پرنٹنگ و پبلشنگ کمپنی کا آباد کردہ ہے۔اس رسالے اور ان کے اشاعتی ادارے کی متحدہ ہندوستان میں بہت دھوم رہی اور اس اشاعتی ادارے میں کئی علما اور محققین کام کرتے رہے۔مولانا سعید انصاری مصنف سیر الصحابیات نے بھی کچھ

عرصہ وہاں کام کیا۔ ڈاکٹر صاحب بھی بچپن میں وہاں جایا کرتے تھے اور وہاں کتابوں کو دیکھ دیکھ کر اپنے اندر علمی شوق پیدا کرتے تھے۔

ڈاکٹر صاحب ۱۹۶۷ء میں بسلسلۂ ملازمت اسلام آباد منتقل ہو گئے۔ پہلے اپنے بھائی محمد لطیف کے ساتھ ان کے مکان میں رہے۔ ۱۹۷۱ء میں سقوط ڈھاکہ کے بعد جب بنگالی اسلام آباد ترک کر کے بنگلہ دیش چلے گئے تو اسلام آباد میں بہت سے گھر اور کوارٹر خالی ہو گئے۔ چنانچہ سیکٹر جی سیون ٹو میں سروس روڈ پر E ٹائپ کوارٹرز میں کسی بنگالی کا خالی کیا ہوا ایک سرکاری کوارٹر (128/E-3) ڈاکٹر صاحب نے حکومت سے اپنے لیے الاٹ کروالیا اور ۱۹۹۵ء میں سرکاری ملازمت سے سبک دوشی تک اسی میں رہے۔ ۱۹۹۶ء میں اسلام آباد کے ایک مضافاتی سرسبز بستی شہزاد ٹاؤن کی گلی ۱۱ میں اپنا مکان تعمیر کرلیا ہے اور اس کے بعد سے اب تک وہیں سکونت پذیر ہیں۔

ڈاکٹر صاحب نے اول تا پنجم جماعت پرائمری اسکول، مونگ میں پڑھی۔ وہ پانچویں جماعت میں زیر تعلیم تھے کہ ۱۹۴۷ء میں ہندوستان تقسیم ہوا اور پاکستان معرض وجود میں آ گیا۔ پانچویں جماعت میں اس وقت کل چھے طالب علم تھے۔ ایک مسلمان (خود ڈاکٹر صاحب)، تین ہندو اور دو سکھ۔ ہندو اور سکھ طلبہ ہندوستان چلے گئے اور ڈاکٹر صاحب جماعت میں اکیلے رہ گئے۔ چنانچہ انہیں مختلف استادوں سے ذاتی طور پر جا کر پڑھنا پڑا اور پانچویں کا امتحان پاس کیا۔ ششم تا ہشتم جماعت، مڈل اسکول، کھیویں، ضلع منڈی بہاءالدین میں پڑھی۔ نہم تا دہم جماعت ایم بی ہائی اسکول، منڈی بہاءالدین میں ۱۹۵۲ء میں مکمل کی۔ تدریس کے لیے دو پیشہ ورانہ کورس بھی کیے۔ گجرات سے ایک سال جونیئر ورنیکلر اور گکھڑ سے سینئر ورنیکلر کا کورس کیا۔ اس کے بعد کسی کالج میں داخلہ لینے کے بجائے اپنے طور پر تیاری کر کے ایف-اے اور بی-اے کے امتحانات پاس کیے۔ برصغیر میں عربی ادب کے معروف محقق اور امام اللغۃ عبدالعزیز میمن راج کوٹی (۱۸۸۸-۱۹۷۸ء، کراچی) کے مشورے پر ۱۹۶۵ء میں اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی لاہور میں ایم اے عربی میں داخلہ لیا اور ۱۹۶۷ء میں وہاں سے فارغ التحصیل ہوئے۔ استاذ میمن ان دنوں اورینٹل کالج کے شعبۂ عربی سے وابستہ تھے۔ ان کی راہ نمائی سے ڈاکٹر صاحب میں تحقیق کا ذوق پیدا ہوا۔ انہوں نے ڈاکٹر صاحب کو رضی الدین حسن بن محمد بن حسن صغانی لاہوری (وفات: ۶۵۰ھ) سے متعارف کروایا اور کہا کہ یہ مصنف مظلوم واقع ہوا ہے۔ اس کی شہرت محدث کے

طور پر ہے لیکن یہ ماہر لغات بھی تھا، تم اس پہلو پر کام کرو۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب نے صغانی کی لغوی تصانیف کو موضوع تحقیق بنایا اور آگے چل کر ان پر کام کیا۔ پاکستان میں عربی کے ایک اور ممتاز محقق ڈاکٹر پیر محمد حسن (۱۹۰۴-۱۹۹۹ء، اسلام آباد) سابق صدر شعبۂ عربی جامعہ اسلامیہ، بہاول پور اور محقق العباب الزاخر للصغانی کی نگرانی میں ۱۹۸۱ء میں پنجاب یونیورسٹی سے عربی ادب میں ڈاکٹریٹ مکمل کی۔ ان کے مقالے کا عنوان ''عربی لغت نویسی میں الحسن بن محمد بن الحسن الصغانی (م ۶۵۰ھ) کی خدمات'' تھا (جس کا تفصیلی تذکرہ آگے آئے گا)۔ اس مقالے کے بیرونی ممتحن ڈاکٹر شیر محمد زمان سابق مدیر ادارۂ تحقیقات اسلامی تھے۔ ڈاکٹر صاحب کا یہ مقالہ اردو میں ہے اور تا حال طبع نہیں ہوا۔ تاہم انھوں نے اس کے مختلف ابواب کو عربی میں منتقل کر کے مقالات کی صورت میں عرب ممالک کے جرائد میں چھپوا دیا ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے اپنی ملازمت کا آغاز بطور مدرس (عربی و ریاضی) اسلامیہ ہائی اسکول منڈی بہاء الدین سے کیا۔ ۱۹۵۴ تا ۱۹۶۱ء ایم بی ہائی اسکول منڈی بہاء الدین میں عربی، ریاضی، سائنس اور اسلامیات پڑھاتے رہے۔ ۱۹۶۱ء میں لاہور چلے گئے اور وہاں ۱۹۶۵ء تک جماعت اسلامی کے زیر انتظام نیا مدرسہ ہائی اسکول، محلہ اچھرہ میں عربی پڑھاتے رہے۔ استاذ میمن کے مشورے سے وہاں کی ملازمت چھوڑ کر اورینٹل کالج میں داخلہ لیا جس کا ذکر پہلے گذر چکا ہے۔

۱۹۶۷ء میں اسلام آباد میں ادارۂ تحقیقات اسلامی کے اہتمام سے عالمی نزولِ قرآن مجید کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس میں احمد الحسنی (ابوالحسن ندوی علی میاں کے قریبی عزیز جو پاکستان کی وزارت خارجہ میں مترجم تھے) کے ساتھ بطور مترجم (عربی سے اردو اور بالعکس) شریک تھے۔ یہ ترجمہ راست نشر ہو رہا تھا۔ اس ترجمے سے ڈاکٹر صاحب کی عربی دانی اور استحضار لغات کے جوہر کھلے۔ اس زمانے میں ڈاکٹر فضل الرحمان (۱۹۱۹-۱۹۸۸ شگاگو) ادارۂ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد کے سربراہ تھے انھوں نے ڈاکٹر صاحب کو ادارے میں بطور فیلو رکھ لیا اور ادارے کے ایک محقق پروفیسر قدرت اللہ فاطمی (۱۹۱۰-۲۰۰۳ء اسلام آباد) کے ساتھ وابستہ کر دیا۔ ادارے کا اپنا بہت بڑا کتب خانہ ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا تحقیق کے لیے ہر روز کتب خانے میں جانا ہوتا۔ اُس وقت مولانا عبدالقدوس ہاشمی (۱۹۱۱-۱۹۸۹ء کراچی) کتب خانے کے مدیر تھے جن کے حافظے کے بارے میں ڈاکٹر صاحب کا کہنا ہے کہ

بے نظیر تھا اور انھیں اعلام کے سنین وفات ازبر تھے۔ مولانا ہاشمی نے ڈاکٹر صاحب میں کتابی ذوق دیکھا تو انھیں فیلوشپ سے ہٹا کر اپنے ساتھ اسسٹنٹ لائبریرین مقرر کروالیا۔ ڈاکٹر صاحب علم کتاب داری میں سند حاصل کرنے کے لیے کراچی یونیورسٹی چلے گئے اور وہاں شعبۂ لائبریری سائنس سے ڈاکٹر عبدالمعید (شاگرد استاذ میمن) جنھیں ''بابائے علم کتاب داری'' کہا جاتا ہے، کی نگرانی میں علم کتاب داری میں ایم۔اے کیا۔ ان کا مقالہ آٹھویں صدی ہجری میں مسلمانوں کی تعلیمی سرگرمیوں سے متعلق تھا۔ بعد میں ڈاکٹر صاحب ادارۂ تحقیقات اسلامی میں ڈپٹی لائبریرین اور چیف لائبریرین بھی رہے اور اسی حیثیت سے ۳۱ اکتوبر ۱۹۹۵ء کو ساٹھ سال کی عمر میں سبک دوش ہوئے۔ ادارۂ تحقیقات اسلامی کے کتب خانے میں ملازمت کے دوران ۱۹۸۰ء میں بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی (الجامعۃ الاسلامیۃ العالمیۃ)، اسلام آباد کا قیام عمل میں آیا تو ادارۂ تحقیقات اسلامی کا الحاق اس جامعہ سے ہوگیا۔ جامعہ کا الگ کتب خانہ ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے کچھ عرصہ بیک وقت ادارہ اور جامعہ کے کتب خانوں میں کام کیا۔ جب وہ کتب خانے میں چیف لائبریرین تھے تو جامعہ میں ان کا رتبہ ایسوسی ایٹ پروفیسر کے برابر تھا۔

ڈاکٹر صاحب نے ۱۹۷۳ء میں شادی کی۔ ان کی چھے اولادیں (چار بیٹے، دو بیٹیاں) ہیں۔ بیٹوں کے نام یہ ہیں: نورالصباح ساطع، یہ اس وقت آسٹریلیا میں مقیم ہیں۔ عبدالرحمان فاتح، عبداللہ خاشع، سیف اللہ تاشع۔ آخرالذکر تینوں بیٹے ریاض (سعودی عرب) میں مقیم ہیں۔

ڈاکٹر صاحب المجمع اللغۃ العربیہ، دمشق، المجمع العلمی الھندی، علی گڑھ اور دی اسلامک مینوسکرپٹس ایسوسی ایشن، کیمرج (جواب جرمنی منتقل ہوچکی ہے) کے رکن ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے اندرون ملک اور بیرون ملک متعدد کانفرنسوں میں شرکت کی ہے۔ عربی کتب اور مخطوطات سے متعلق ان کے متعدد اردو اور عربی تحقیقی مقالات حسب ذیل جرائد میں چھپ چکے ہیں:

فکر ونظر (اسلام آباد)، الدراسات الاسلامیۃ (اسلام آباد)، اورینٹل کالج میگزین (لاہور)، معارف (اعظم گڑھ)، مجلۃ مجمع اللغۃ العربیہ (دمشق)، مجلۃ مہد المخطوطات العربیۃ (قاہرہ)، مجلۃ العرب (ریاض)، مجلۃ المورد (بغداد)، مجلۃ مجمع اللغۃ العربیۃ الاردنی (عمان)، مجلۃ عالم المخطوطات والنوادر (ریاض) وغیرہ۔

عربی مخطوطات کی فہرست نویسی سے دلچسپی: اورینٹل کالج لاہور میں استاذ میمن سے تلمذ اور ادارۂ تحقیقات اسلامی میں ڈاکٹر پیر محمد حسن اور مولانا عبدالقدوس ہاشمی، جو مخطوطات کے ماہر تھے، کی صحبت کے ایام ہی میں ڈاکٹر صاحب مخطوطات کی تلاش، فہرست نویسی اور عربی تراث پر تحقیق کی طرف مائل ہوئے۔ ڈاکٹر صاحب بتاتے ہیں کہ وہ اورینٹل کالج میں تعلیم کے زمانے میں اپنے استاذ میمن کے ساتھ لاہور میں مولوی شمس الدین تاجر کتب نادرہ (وفات: ۱۹۶۸ء) کی دکان پر جایا کرتے تھے اور زندگی میں پہلی بار وہیں نحو پر ایک عربی مخطوطہ ان سے خریدا تھا۔ یہ ۱۹۶۷ء کا واقعہ ہے۔ دوران ملازمت ہی ۱۹۹۰ء میں ڈاکٹر صاحب کے ذہن میں ''مرکز حمایۃ المخطوطات العربیۃ'' کے قیام کا خاکہ بن گیا تھا، چنانچہ ۱۹۹۶ء میں اپنے نئے تعمیر شدہ مکان (۳۲۳۔ شہزاد ٹاؤن) میں یہ مرکز شکل پذیر ہوا۔ اس کی بیرونی دیوار پر دوسطری اسٹیل کی سنہری تختی مرکز حمایۃ المخطوطات العربیۃ Centre for the Protection of Arabic Manuscripts نصب ہے۔ قم، رباط اور تہران سے شایع ہونے والی ڈاکٹر صاحب کی بعض تصانیف کے سرورق پر مرکز کا نام بھی درج ہوا ہے۔ ۱۹۹۵ء میں ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد ڈاکٹر صاحب نے پاکستان میں عربی مخطوطات کی تلاش اور ان کی فہرست نویسی کو اپنا نصب العین بنایا۔ مخطوطات کی تلاش میں پہلا سفر ۱۹۹۶ء میں پنجاب سے شروع کیا اور مندرجہ ذیل مقامات پر گئے: مکھڈ ضلع اٹک (کتب خانہ مولانا محمد علی)، کندیاں ضلع میانوالی (کتب خانہ مولانا ابوالخلیل خان محمد)، ملتان (کتب خانہ گردیزی خاندان و باغ لانگے خان)، سردار پور جھنڈیر (کتب خانہ میاں مسعود احمد و برادران)، بہاول پور (سنٹرل لائبریری)، فقیر والی نزد بہاول نگر (کتب خانۂ جامعہ قاسم العلوم)۔ مخطوطات کی تلاش کا دوسرا سفر پشاور شہر کا تھا۔ اسلام آباد سے وہاں دو سال تک آنا جانا رہا اور اس دوران وہاں اسلامیہ کالج (ذخیرۂ غلام جیلانی)، مرکزی کتب خانۂ پشاور یونیورسٹی، پشتو اکیڈمی اور آرکائیوز میں عربی مخطوطات کی فہرست سازی کی۔ تیسرا سفر سندھ کے کتب خانوں میں عربی مخطوطات کی تلاش کے لیے تھا جو مولانا ڈاکٹر محمد ادریس (ساکن کنڈیارو، صوبہ سندھ) کی راہ نمائی اور مدد سے کیا۔ ڈاکٹر محمد ادریس خود مخطوطات کے شائق ہیں اور سندھ کے مخطوطات کی فہرست نویسی کر چکے ہیں۔ انھوں نے سندھ میں موجود جن ذخائر مخطوطات کی نشان دہی کی ڈاکٹر صاحب وہاں تک پہنچے اور اس طرح خیر پور میرس، پیر جو گوٹھ، پیر جھنڈو، سعید آباد اور حیدر آباد میں

دستیاب مخطوطات کی فہرستیں تیار ہوگئیں۔

۲۰۰۳ء میں جب میں نے نیشنل آرکائیوز اف پاکستان، اسلام آباد کے ذخیرہ مفتی کے فارسی مخطوطات کی فہرست تیار کی تو وہاں سینکڑوں عربی مخطوطات بھی دیکھے جو میرے دائرۂ کار میں نہیں آتے تھے۔ چنانچہ میں نے عربی مخطوطات کی طرف ڈاکٹر صاحب کی توجہ دلائی اور انھوں نے اس ذخیرے کے عربی مخطوطات کی فہرست تیار کردی۔ اسی طرح مجھے کتب خانۂ گنج بخش مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد میں کئی سال کام کا موقع ملا۔ وہاں بھی عربی مخطوطات کا عظیم الشان ذخیرہ ہے جس کی فہرست نویسی کی طرف ادارے نے توجہ نہیں دی تھی۔ میری یہ شدید خواہش تھی کہ ان مخطوطات کی فہرست سازی ہوجائے۔ اس سلسلے میں میرے پیش نظر ڈاکٹر احمد خان ہی ایسے شخص تھے جو یہ کام انجام دے سکتے تھے۔ میں نے تہران اور اسلام آباد میں مسلسل اس مسئلہ کو اٹھائے رکھا۔ آخر مرکز کے سربراہ قہرمان سلیمانی کے عہد مدیریت (۱۵/۱اکتوبر ۲۰۱۲-۱/فروری ۲۰۱۴ء) میں ہماری یہ کوشش کامیاب ہوئی اور ڈاکٹر صاحب کو فہرست نویسی کی اجازت مل گئی۔ انھوں نے تقریباً اٹھارہ ماہ مسلسل کتب خانے میں جاکر تمام عربی مخطوطات کی فہرست تیار کی جو تعداد میں ۴۴۹۳ ہیں۔ یہ فہرست تاحال جداگانہ شایع نہیں ہوسکی۔ لیکن ڈاکٹر صاحب کے منصوبے میں اس کی اشاعت شامل ہے۔ کتب خانۂ گنج بخش کے طبّی مخطوطات کا اندراج ڈاکٹر صاحب کے منصوبے کی جلد نہم میں ہوگیا ہے جس کا ذکر آگے آئے گا۔

ڈاکٹر صاحب نے اپنے جلیل القدر منصوبے ''پاکستان میں عربی مخطوطات کی فہرست'' کی زبان عربی اختیار کی ہے۔ اس میں شامل ہر مخطوطے کو خود دیکھا ہے اور ہر نسخے کے بارے میں مندرجہ ذیل اطلاعات بہم پہنچانے کا اہتمام کیا ہے:

۱۔ مخطوطے کا نام، مصنف کا نام اور ممکنہ حد تک اس کی تاریخ وفات کا اندراج، ۲۔ کاتب اور تاریخ کتابت اور مقام کتابت، ۳۔ اوراق اور فی صفحہ سطور کی تعداد اور سنٹی میٹرز میں تقطیع، ۴۔ خط کی قسم اور روشنائی کا رنگ اور دیگر آرائش وزیبائش، ۵۔ ابتدا اور اختتام سے چند سطور کا نمونہ، ٦۔ مخطوطہ کی ظاہری حالت، ناقص ہے یا کامل، کتنا قدیم ہے؟ سماعات، تملیکات اور مُہریں وغیرہ، ۷۔ اس کتب خانے کا نام اور طلب نمبر جہاں نسخہ دیکھا گیا، ۸۔ عمومی موضوع۔ ۹۔ زیر بحث کتاب اور اس کے مصنف کے

بارے میں دیگر معروف کتابیاتی حوالے۔(معجم المولفین/کشف الظنون وغیرہ)

ہر جلد کے آخر میں کشافی اشاریے لگائے گئے ہیں تاکہ فہرست کے مندرجات سے استفادہ میں سہولت ہو۔حسب ذیل کشافی اشاریے موجود ہیں:

۱۔عنوانات کتب (تہجی ترتیب سے)، ۲۔مصنّفین اپنے مشہور نام کی ترجیح کے ساتھ، ۳۔دیگر اعلام جن کا ذکر نسخے کی ابتدائی، انتہائی سطور کی عبارت یا تملیکات اور دیگر یادداشتوں میں ہوا ہے، ۴۔کاتبان، ۵۔جغرافیائی مقامات جن کا ذکر ضمناً مخطوطات کے ذکر میں ہوا ہے۔تمام جلدوں کے آخر میں منتخب نادر نسخوں کے بعض اہم صفحات کا عکس بھی دیا گیا ہے۔جن مجموعوں یا کتب خانوں کی فہرست ہے ان میں اقدم اور نادر نسخوں کا ذکر مقدمے میں کر دیا ہے۔

بنیادی طور پر یہ فہرست موضوعی ترتیب سے مرتّب ہوئی ہے۔موضوعات متعین کر کے، مخطوطات کو تہجی ترتیب سے رکھا گیا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ہر جلد میں موضوعات کی تکرار ہے، سوائے نویں جلد کے جو صرف طبّی مخطوطات کے لیے مخصوص ہے۔

ڈاکٹر صاحب کی تحقیق اور دریافت کے مطابق پاکستان میں عربی کا قدیم ترین مخطوطہ بلحاظ تاریخ کتابت، کتاب الاقناع کا ہے جو ابوالحسن سعید بن ہبۃ اللہ بن حسن الطبیب (وفات: ۴۹۵ھ) کی تصنیف ہے۔ یہ نسخہ مصنف کے حین حیات ۱۹ ربیع الاول ۴۸۱ھ کو کتابت ہوا اور اس وقت ذخیرۂ غلام جیلانی اسلامیہ کالج، پشاور (نمبر ۱۶۲۱) میں موجود ہے (بحوالہ: الجزء الثانی، ص ۳۷۰؛ الجزء التاسع، ص ۱۵۹)۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ پاکستان میں فارسی کا اقدم قلمی نسخہ بھی اسی زمانے کا کتابت شدہ ہے۔ یہ شرح التعرف لمذھب التصوف ہے جو قومی عجایب گھر، کراچی (شمارہ: N.M.1959-207) میں موجود ہے اور اس کی تاریخ کتابت ۲۴ رشوال ۴۷۳ھ ہے۔

ڈاکٹر صاحب کا یہ منصوبہ ۱۴۱۸ھ/۱۹۹۷ء میں کتابی صورت میں شایع ہونا شروع ہوا اور اب (۲۰۱۷ء) تک اس کی نو (۹) جلدیں شایع ہو چکی ہیں۔ڈاکٹر صاحب کا ارادہ ہے کہ اسے کل تیرہ جلدوں میں مکمل کریں گے۔ان شاء اللہ۔اس کی پہلی جلد المنظمۃ الاسلامیۃ للتربیۃ والعلوم والثقافۃ ایسیسکو (ISESCO) رباط کی طرف سے ۱۴۱۸ھ/۱۹۹۷ء، ۵۱۶ صفحات میں شایع ہوئی۔ بقیہ جلدوں کی اشاعت ریاض، سعودی عرب کے ملک فہد قومی کتب خانہ/ مکتبۃ الملک فہد الوطنیۃ

[King Fahd National Library] کی طرف سے ہوئی ہے۔اسی ناشر نے پہلی جلد کو بھی اپنے ہاں سے مکرر شایع کر دیا ہے۔رباط والی اشاعت کے سرورق پر کتاب کا نام ''**فھرس المخطوطات العربیۃ الاسلامیہ فی باکستان**'' (Catalouge of Arab-Islamic Manuscripts in Pakistan) لکھا ہے جب کہ ریاض سے شایع ہونے والی جلدوں سے لفظ ''الاسلامیۃ'' محذوف ہے اور سرورق پر ''**فھرس المخطوطات العربیۃ فی باکستان**'' (Catalouge of Arabic Manuscripts in Pakistan) درج ہے۔البتہ صرف جلد اول کے اندرونی سرورق پر **فھرس المخطوطات العربیۃ الاسلامیہ فی باکستان** چھپا ہے۔اس کے بیرونی سرورق پر بے احتیاطی اور غلطی سے (مجموعات بالسند: القسم الثانی: المکتبات الحکومیۃ) چھپ گیا ہے حالانکہ یہ الجزء الثامن کی تخصیص ہے۔ریاض سے شایع ہونے والی پہلی جلد کو دوبارہ کمپوز کر کے شایع کیا گیا۔اس کی تقطیع رباط ایڈیشن سے قدرے چھوٹی ہے۔رباط ایڈیشن میں تمام عدد رومن میں ہیں جب کہ ریاض ایڈیشن میں عربی اعداد کا التزام کیا گیا ہے۔

مکتبۃ الملک فھد الوطنیۃ، ریاض سے اب تک شایع ہونے والی جلدوں کی تفصیل اس طرح ہے:

الجزء الاول: ۱۴۳۷ھ/ ۲۰۱۶ء، ۵۷۳ ص، اس میں ۴۳ موضوعات پر ۳۶۰ مخطوطات متعارف ہوئے ہیں۔

الا جزاء الثانی والثالث والرابع (مکتبات مدینۃ بشاور): ۱۴۲۶ھ/ ۲۰۰۵ء، ۶۹۳ ص، یہ تینوں جلدیں ایک ہی مجلد میں ہیں۔اس میں پشاور کے چار کتب خانوں میں محفوظ مخطوطات کا تعارف ہے۔ہر کتب خانے کے مخطوطات کی فہرست الگ الگ درج ہوئی ہے۔کل ۱۲۳۴ مخطوطات متعارف ہوئے ہیں۔جن کی تقسیم اس طرح ہے:

عدد ۱ تا ۹۰۳: ذخیرۂ غلام جیلانی، اسلامیہ کالج، پشاور یونیورسٹی؛ عدد ۹۰۴ تا ۱۰۹۳: مرکزی کتب خانہ پشاور یونیورسٹی؛ عدد ۱۰۹۴ تا ۱۱۶۴: پشتو اکیڈمی پشاور یونیورسٹی؛ عدد ۱۱۶۵ تا ۱۲۳۴: ڈائریکٹریٹ اف آرکائیوز اینڈ لائبریریز۔

ابتدا میں فہرست موضوعات کی بجائے آخر میں موضوعاتی اشاریہ دیا گیا ہے۔

الجزء الخامس (الآثار القومیۃ الباکستانیۃ باسلام آباد (مقتنیات خزینۃ المفتی)؛ الجزء السادس (جامعۃ بنجاب بلاھور)، ۱۴۳۴ھ/ ۲۰۱۳ء، ۴۰۰+۱۶۵ ص، اس میں بھی دو مختلف کتب خانوں کی فہرست الگ الگ حصوں میں لیکن ایک ہی مجلد میں پیش کی گئی ہے۔ پہلے حصے میں نیشنل آرکائیوز آف پاکستان، اسلام آباد کے ذخیرۂ مفتی کے ۵۵۰ مخطوطات کا تعارف ہے۔ موضوعات کا اشاریہ آخر میں شامل کیا گیا ہے۔ دوسرے حصے میں پنجاب یونیورسٹی لاہور کے ۱۱۲۳ میں سے ۲۳۳ نادر اور اہم مخطوطات کا تعارف ہے۔

الجزء السابع (مجموعات بالسند: القسم الاول: المکتبات الراشدیہ)، ۱۴۳۴ھ/۲۰۱۳ء، ۵۵۶ ص، یہ سندھ کے مشہور روحانی راشدی خاندان کے ۴۴۲ مخطوطات کی فہرست ہے جو پیر محمد راشد (وفات: ۱۲۳۳ھ) سے منسوب ہے۔ اب یہ کتب خانہ راشدیہ وراثت میں تقسیم ہو چکا ہے۔ جو اصل خانقاہ، پیر جو گوٹھ پر رہا وہ پیر پگارو کتب خانہ کہلاتا ہے۔ سید یاسین شاہ کی اولاد جو سعید آباد منتقل ہوئی وہ پیر جھنڈو کہلاتی ہے، ایک حصہ ان کے پاس چلا گیا۔ پھر اسی پیر جھنڈو میں مزید تقسیمات بھی ہوئی ہیں جن میں سے پیر جھنڈو کی دیوبندی مکتب فکر والی جماعت نے اپنے مخطوطات نیشنل میوزیم کراچی کو دے دیے۔ پیر جھنڈو ذخیرے میں امام ابی بکر احمد بن حسین بیہقی (۳۸۴-۴۵۸ھ) کی شعب الایمان کا ایک ایسا نسخہ بھی ہے جس کا مقابلہ ۴۹۸ھ میں کیا گیا۔ جس سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ یہ مصنف کی وفات سے چالیس سال بعد کا ہے۔

الجزء الثامن (مجموعات بالسند: القسم الثانی: المکتبات الحکومیۃ)، ۱۴۳۴ھ/۲۰۱۳ء، ۵۸۲ ص، اگرچہ اس جلد کے سرورق پر صرف سندھ کے ذخیروں کا اظہار کیا گیا ہے لیکن اس جلد میں ذخیرۂ مفتی نیشنل آرکائیوز آف پاکستان، اسلام آباد کے مخطوطات بھی شامل ہیں۔ کل ۴۷۵ نسخوں کا اندراج ہوا ہے جن کی عددی ترتیب اس طرح ہے:

عدد ۱ تا ۱۴۷: علامہ آئی آئی قاضی کتب خانہ، سندھ یونیورسٹی، جام شورو، ۱۴۷ مخطوطات۔ عدد ۱۴۸ تا ۲۱۶: سچل سرمست لائبریری، خیر پور میرس، ۶۹ مخطوطات۔ عدد ۲۱۷ تا ۲۵۳: سندھالوجی انسٹی ٹیوٹ، جام شورو، ۳۷ مخطوطات۔ عدد ۲۵۴ تا ۲۵۶ سندھی ادبی بورڈ، جام شورو، ۳ مخطوطات۔ عدد ۲۵۷ تا ۴۷۵: ذخیرۂ مفتی نیشنل آرکائیوز آف پاکستان، اسلام آباد۔ ۲۱۹ مخطوطات، یہاں یہ بات

قابل ذکر ہے کہ پانچویں جلد میں ذخیرۂ مفتی کے ۵۵۰ مخطوطات متعارف ہوئے ہیں لیکن وہ مجمل فہرست ہے۔ انہی میں سے ۲۱۹ مخطوطات کا انتخاب کر کے جلد ہشتم میں قدرے مفصل تعارف لکھا گیا ہے۔ بنیادی فرق یہ ہے کہ جلد پنجم میں نسخوں کے ابتدا اور انتہا کی عبارتیں نہیں ہیں، لیکن جلد ہشتم میں وہ عبارتیں منقول ہیں۔ دونوں جلدوں میں بعض مقامات پر مخطوطات کے عنوانات میں جزوی اختلاف بھی ہے جیسے: احکام الاعتقاد فی ابطال الفسلفۃ والالحاد (ج ۵، ص ۲۹) احکام الاعتقاد فی ابطال الفسلفۃ والاعتقاد (ج ۸، ص ۲۸۰)، النہج الامم فی تبویب الحکم (ج ۵، ص ۲۹) النہج الاتم فی تبویب الحکم (ج ۸، ص ۲۸۱)۔

الجزء التاسع (الطبیۃ)، ۱۴۳۷ھ/۲۰۱۶ء، ۴۰۸ ص، اس جلد میں فاضل مصنف نے سابقہ جلدوں کی ترتیب کے برخلاف، ایک نئی ترتیب قائم کی ہے۔ اولاً یہ پوری جلد ایک ہی موضوع (طب) پر کتب کے لیے مخصوص ہے۔ ثانیاً اس میں مصنف کو مقدم رکھ کر، الف بائی ترتیب سے ہر مصنف کی تصانیف اور اس کے نسخوں کا ذکر ہوا ہے۔ ثالثاً کتاب کے نام کا عنوان قائم کر کے اس کے نیچے تمام قلمی نسخوں کا ذکر کیا ہے۔ جن کتب کے ایک سے زائد قلمی نسخے ہیں ان کے پہلے مکمل نسخوں کا اور بعد میں ناقص یا نامکمل نسخوں کا ذکر ہوا ہے (مثال: القانون فی الطب کے ۲۵ نسخے، ص ۱۲۴-۱۳۹)۔ رابعاً اگر کسی کتب خانے میں ایک ہی مصنف کا مجموعۂ رسائل طبی ہے تو وہ مجموعہ ایک ہی جگہ، اس مصنف کے نام کے ذیل میں متعارف ہوا ہے (مثال: طغرائی کے ۵ رسائل، ص ۱۶۲-۱۶۵)، خامساً کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے حصے (ص ۱۵-۲۷۶) میں ۱۰۰ مصنّفین کی تہجی ترتیب کے تحت ان کی طبّی تصانیف کے نسخوں کا اندراج ہوا ہے لیکن نسخوں کی تعداد کا کہیں ذکر نہیں ہے اور نہ ہی ان پر شمار لگایا گیا ہے۔ دوسرے حصے (ص ۲۷۷-۳۴۱) میں ایسی ۶۳ کتابوں کا تہجی ترتیب سے ذکر کیا گیا ہے جن کے مصنّفین نامعلوم ہیں۔ سادساً پہلے حصے میں فاضل مصنف نے مصنّفین کو اصل مدخل قرار دے کر اس پر عدد (۱ تا ۱۰۰) لگایا ہے اور دوسرے حصے میں کتب کے عنوانات کو مدخل قرار دے کر مسلسل عدد (۱ تا ۱۶۳) لگایا ہے۔ لیکن ۱۶۳ کا عدد نہ تو کُل تصانیف کی تعداد کو ظاہر کرتا ہے اور نہ ہی کل مخطوطات کی تعداد کو۔ اس جلد میں ملک بھر کے ۱۹ کتب خانوں کے طبّی مخطوطات کو شامل کیا گیا ہے۔ بہت سے مخطوطات پہلی جلدوں میں بھی کتب خانوں کے حوالے سے مذکور ہو چکے ہیں لیکن اس

جلد میں متعلقہ موضوع (طب) کے حوالے سے مکرر لائے گئے ہیں۔ کتاب خانۂ گنج بخش مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد کے طبّی نسخے پہلی بار اس جلد میں متعارف ہوئے ہیں۔

عربی مخطوطات کی دیگر فہرستیں: ڈاکٹر صاحب کی تالیفات سے مندرجہ ذیل فہارس الگ حیثیت سے شایع ہوئی ہیں۔

- **المخطوطات العربية فی جامعة البنجاب بلاهور (فهرس منتقى)**، معهد المخطوطات العربية، کویت، ۱۹۹۰ء، ۱۴۳ صفحات۔

موضوع وار فہرست ہے۔ بعد میں یہ **فهرس المخطوطات العربية فی باکستان** کی چھٹی جلد کے طور پر شایع ہوئی۔

- فہرست نسخہ ہای خطی خزانۂ مفتی در اسلام آباد / **مقتنيات خزانة المفتی بالآثار القومية الباكستانية باسلام آباد - فهرس المخطوطات العربية فی باکستان (الجزء الخامس)** *The Illustrated Manuscripts Catalogue of Al-Mofti's Islamabad-Pakistan Library*)، نشر: **مجمع ذخائر اسلامی (مجمع الذخائر الاسلامية) قم**، ایران، ۱۴۳۰ھ/ ۲۰۰۹ء، ۲۵۲ ص۔

نیشنل آرکائیوز اف پاکستان اسلام آباد میں محفوظ ذخیرۂ مفتی کے ۵۵۰ مخطوطات کی مجمل فہرست ہے جس میں کتاب، موضوع، مصنف، کاتب، تاریخ کتابت، خط، تعداد اوراق وسطور، تقطیع اور طلب نمبر دیا گیا ہے۔ اس فہرست کے عربی اور انگریزی سرورق کی توضیح ہونی چاہیے۔ **فهرس المخطوطات العربية فی باکستان (الجزء الخامس)** سے مراد ڈاکٹر صاحب کی وہ فہرست ہے جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے اور ذخیرۂ مفتی کی یہ فہرست بعینہٖ اس کی جلد پنجم میں شامل ہے۔ انگریزی سرورق میں لفظ *Illustrated Manuscripts* سے اگر مصور مخطوطات مراد لیا جائے تو یہ فہرست ہرگز مصور مخطوطات کی نہیں ہے۔

فہرست کی ترتیب میں دقیق نظم نہیں ہے۔ موضوعی ہوتے ہوئے بھی بہت ساری کتابیں آگے پیچھے درج ہوگئی ہیں۔ آخر میں حسب ذیل اشاریے ہیں: مصنّفین وشارحین؛ عناوین مخطوطات، تقسیم مخطوطات حسب علوم، کاتبان، اعلام وکتب جن کا ضمناً ذکر ہوا ہے، اصحاب مواہیر، اماکن۔ چند

اہم مخطوطات کے اوراق کی تصاویر بھی شامل ہیں۔

ڈاکٹر صاحب سے پہلے ۲۰۰۳ء میں، میں اس ذخیرے میں کام کر چکا ہوں اور تمام نسخے میری نظر اور ہاتھ سے گذر چکے ہیں۔ اس ذخیرے کے تقریباً ۱۵۰۰ فارسی مخطوطات کی فہرست مع تاریخ وتذکرۂ خاندان مفتی میں علاحدہ سے تیار کر کے چھاپ چکا ہوں (دیکھیے: فہرست نسخہ ہای خطی فارسی آرشیو ملّی پاکستان، اسلام آباد، گنجینۂ مفتی فضل عظیم بھیروی، طبع تہران ۲۰۱۲ء)۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنی اس فہرست میں جن فارسی کتابوں کو عربی مخطوطات کے طور پر شامل کیا ہے ان کی تفصیل یہ ہے:

ص ۲۸: خزینہ جواہر جلالیہ۔ ص ۵۶: مفتاح الفتوح۔ ص ۶۳: معراج المومنین۔ ص ۱۳۹: منتخب اللغات شاہ جہانی۔

کتاب میں بعض مقامات پر سہوالقلم بھی ہیں:

صفحہ	خطا	صواب
۲۰۹/۱۴	رسالپور ہیلاں	رسولپور ہیلاں

مجموعۃ الرسائل فی التصوف کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ یہ معروف عالم عبدالحکیم بن شمس الدین سیالکوٹی کا کتابت کردہ ہے اور اس کی تاریخ کتابت ۱۱۷۶ھ ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے خود مولانا عبدالحکیم کی وفات کا سال ۱۰۶۷ھ لکھا ہے (ص ۴۹)، لہٰذا ۱۱۷۶ھ میں مولانا یہ مجموعہ کیسے کتابت کر سکتے ہیں؟

ص ۴۳	حسالدین	حسام الدین
ص ۶۶	ملک فعلولی	ملک مغولی
ص ۶۹	قتیل خان ندوی	قتیل خان فدوی
ص ۱۱۲، ۱۱۳	متصوری	قصوری
ص ۱۵۵	حرارۃ الغزیریۃ	حرارۃ الغریزیۃ
ص ۱۶۳	باگاملتانی	بانگاملتانی
ص ۱۶۹	انوار خلاصۃ الحساب کے کاتب کا نام غلام محمد بن محمد باقر بھیروی اور سال کتابت ۱۱۳۰ھ بتایا گیا ہے۔ میں غلام محمد بھیروی کی کتابت کردہ متعدد فارسی کتابیں دیکھ چکا	

ہوں جن سے متعین ہوتا ہے کہ وہ ۱۲۷۸ھ تک بقید حیات تھے۔لہٰذا ۱۱۳۰ھ میں ان کے ہاتھ سے انوار خلاصۃ الحساب کا کتابت ہونا بعید از کار ہے۔الّا یہ کہ تاریخ درج ہونے میں غلطی ہوئی ہو۔

ص ۱۸۵ السقلانی،ص ۱۶۹ پر اسے القلانسی لکھا ہے اور یہی درست ہے

ص ۲۰۷ احمد ملوک مغول احد ملوک مغول

برصغیر ہندو پاکستان میں عربی مطبوعات کی فہرست: ڈاکٹر صاحب کا دوسرا بڑا کارنامہ برصغیر ہندو پاکستان میں طبع ہونے والی عربی کتب کی کتابیات ہے۔جو عربی زبان میں حسب ذیل عنوان سے شایع ہوئی ہے:

معجم المطبوعات العربیہ فی شبہ القارۃ الھندیۃ الباکستانیۃ منذ دخول المطبعۃ الیھا حتی عام ۱۹۸۰م

Catalogue of Arabic Books Printed in Indo-Pak Subcontinent

(since coming of press here down to 1980 A.D)

مکتبۃ الملک فہد الوطنیۃ، ریاض، ۱۴۲۱ھ/ ۲۰۰۰ء، ۶۱۸ صفحات، دو کالمی

اس کتابیات میں برصغیر میں مطبع قائم ہونے سے لے کر ۱۹۸۰ء تک طبع ہونے والی عربی کتابوں کا مصنف وار تہجی ترتیب سے اندراج ہوا ہے۔ڈاکٹر صاحب کی تحقیق اور دریافت کے مطابق برصغیر میں اولین طبع ہونے والی عربی کتاب سراجی (سراج الدین ابوطاہر سجاوندی) ہے۔اس کا عربی متن انگریزی ترجمے کے ساتھ باہتمام ولیم جونز کلکتہ سے ۱۷۹۲ء میں شایع ہوا تھا (ص ۱۸۴)۔ دوسرے لفظوں میں یہ کتابیات ۱۷۹۲ء سے ۱۹۸۰ء تک طبع ہونے والی عربی کتب کا احتوا کرتی ہے۔ ۱۷۹۲ء میں سراجی کی طباعت کو مدّنظر رکھتے ہوئے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ ہندوستان میں عربی کتب کی طباعت، مصر میں مطبع قائم ہونے سے پہلے شروع ہوچکی تھی۔یہی صورت حال فارسی کتب کی طباعت کی ہے۔ہندوستان میں چھپنے والی فارسی کی پہلی کتاب انشائے ہرکرن ہے جو کلکتہ سے باہتمام بالفور، ۱۷۸۱ء میں طبع ہوئی۔اُس وقت تک ایران میں چھاپہ خانہ قائم نہیں ہوا تھا۔

ڈاکٹر صاحب نے یہ معجم تیار کرنے کے لیے ۱۹۹۸ء کے لگ بھگ ہندوستان کا سفر بھی کرنا چاہا۔ہندوستان کا ویزا لے لیا گیا اور وہ پاکستان میں بنائی گئی عربی کتابوں کی پرچیاں اپنے ساتھ لے

کراٹاری سرحد پر پہنچے تا کہ ہندوستان میں ان پرچیوں کو سامنے رکھ کر اپنے کام کی تکمیل کریں۔ اٹاری سرحد پر کسٹمز پر مامور سردار جی نے پوچھا یہ پرچیاں کیا ہیں؟ ڈاکٹر صاحب نے صورت حال بتائی۔ سردار جی کے بات پلے نہ پڑی۔ سردار جی نے کہا یہ پرچیاں آپ ساتھ نہیں لے جاسکتے۔ ان کو پہلے جانچا جائے گا اور ہندوستان میں جہاں ہوں گے آپ کو پہنچادی جائیں گی۔ ظاہر ہے ان پرچیوں کے بغیر ہندوستان میں داخلہ بے کار تھا کیونکہ ڈاکٹر صاحب کے سارے کام کا انحصار انھی پرچیوں پر تھا، چنانچہ بددل ہو کر اٹاری سے واپس آ گئے۔ اگر اُس وقت ڈاکٹر صاحب کا ہندوستان کا سفر عملی صورت اختیار کر لیتا تو اس معجم کی شان میں مزید اضافہ ہوتا۔

اس معجم میں ایک مکمل اندراج میں مندرجہ ذیل اطلاعات کو ملحوظ رکھا گیا ہے:

۱۔ مصنف کا نام، تاریخ وفات، ۲۔ کتاب کا نام، ۳۔ موضوع، ۴۔ محقق/ مدوّن/ مصحح/ مہتمم کا نام، ۵۔ مقام طباعت/ اشاعت، ۶۔ مطبع، ۷۔ ناشر، ۸۔ سال طباعت (ہجری وعیسوی دونوں)، ۹۔ تعداد مجلدات یا اجزاء، ۱۰۔ تعداد صفحات، ۱۱۔ تقطیع، ۱۲۔ چھاپے کی نوعیت (سنگی، حروفی)۔ تاہم بعض اندراجات میں اس کی کمی بھی ہے اور مصنف کو جو اطلاعات دستیاب تھیں وہی درج ہوئی ہیں۔

کتاب دو حصوں میں تیار ہوئی ہے۔ پہلا حصہ (ص ۱۵ تا ۵۲۳) مصنّفین کی تہجی ترتیب کے مطابق، دوسرا حصّہ (ص ۵۲۵ تا ۵۳۸) مجہول المولف کتابوں کے اندراجات بہ ترتیب حروف تہجی۔ اس کے بعد پوری کتاب میں مندرج کتابوں کا اسمائی اشاریہ ہے۔

اس فہرست کے ضمنی مزید فوایدکی طرف اشارہ بھی ضروری ہے:

-اس میں ایسی عربی کتب بھی شامل ہیں جن کے ساتھ فارسی، اردو یا مقامی زبانوں کے تراجم بھی موجود ہیں۔

-اس میں اِکّا دُکّا برما اور سنگاپور میں چھپنے والی عربی کتابیں بھی شامل ہو گئی ہیں۔ (دیکھیے اندراجات: احمداللہ رنگونی، ص ۲۶؛ عرفات منصور، ص ۳۱۰؛ محمد ایوب، تحفۃ المومنین، ص ۴۱۱)

-اس میں برصغیر سے نکلنے والے عربی جرائد کے اندراجات بھی ہیں۔ (دیکھیے اندراج: مجلات عربیة تصدر او صدرت عن هذه المنطقة، ص ۳۷۷)

- اس میں وہ انگریزی/اردو فہرستیں بھی شامل ہیں جو عربی مخطوطات یا مطبوعات کے بارے میں ہیں (راہ نمائی کے لیے دیکھیے بذیل مادّہ ''فهارس المخطوطات و الكتب العربية'' ص ۳۳۹ اور لفظ ''فہرست'' در اشاریہ، ص ۵۸۵)

میں نے برصغیر میں مطبوعہ فارسی کتب کی فہرست کتاب شناسی آثار فارسی چاپ شدہ در شبہ قارہ (تہران، ۲۰۱۲ء، ۴ جلدیں) تیار کرتے وقت ڈاکٹر صاحب کے اس معجم کا سطر بہ سطر معاینہ کیا تھا تا کہ اس میں سے اپنے کام کی چیزیں (فارسی کتب) نکال سکوں۔ اس دوران کچھ ملاحظات اس کے حاشیے پر درج کر دیے جو یہاں اس خیال سے شایع کر رہا ہوں کہ اس معجم کی کسی آیندہ اشاعت کے وقت ان پر بھی توجہ دی جائے:

ص ۱۵: سبحۃ المرجان....، اس کی صرف پہلی جلد کا اندراج ہوا ہے۔ دوسری جلد بھی ۱۹۸۰ء میں شایع ہو گئی تھی۔

ص ۲۳: اثبات النبوت، یہ مکمل فارسی کتاب ہے، عربی کتب میں اندراج محل نظر ہے۔

ص ۳۲: ایک ہی صفحے پر ایک نام دو طرح سے لکھا گیا ہے، عفاظ الدین احمد/ افاض الدین احمد۔

ص ۴۷: شرح قصیدۃ الامالی کے ایک شارح کا نام ''اخوند درویش ننغاھاری'' چھپا ہے۔ درست نام اخوند درویزہ ننگرہاری ہے۔ اسی صفحے پر اسی شرح کے ایک اندراج میں شارح کے بارے میں لکھا ہے ''لم یعرف اسمہ''، چونکہ میں نے یہ نسخہ دیکھا ہے، مجھے یقین ہے کہ یہ بھی اخوند درویزہ ننگرہاری کی شرح ہے۔

ص ۶۳: جوہر نایاب از بلاقی داس، کتاب کے نام سے گمان ہوتا ہے کہ کتاب عربی میں نہیں ہے۔

ص ۶۹: البیرونی کی کتاب غرۃ الزیجات کا نام دو بار غلطی سے عزۃ الزیجات چھپ گیا ہے۔

ص ۷۲: ایشور داس کا نام الیشور داس چھپا ہے۔

ص ۷۲: تتمۃ صوان الحکمۃ کا سال طباعت ۱۹۳۲ نہیں بلکہ ۱۹۳۵ء ہے۔

ص ۱۰۴: مفتی محمد احسن کا نام مفتی محمد احسان چھپا ہے۔

ص ۱۰۷: دوبار Cheetra Prabha کو Cheeba Prabha لکھا ہے۔

ص ۳۸/۱۰۹: خزانۃ الکتب والمخطوطات۔۔۔/فہرس المخطوطات والکتب۔۔۔ایک ہی کتاب ہے جو دو مقامات پر درج ہوگئی ہے۔

ص ۱۱۱/۳۰۰: عبدالکریم جیلی اور ان کی کتاب الکہف الرقیم۔۔۔ کا اندراج مکرر دو مقامات پر ہوا ہے۔ص ۱۱۱ پر غلطی سے ان کی نسبت ''الجیلی'' چھپ گئی ہے۔

ص ۱۲۸: مقامات حریری کے کلکتہ ایڈیشن کا سال طباعت ۱۲۲۴-۱۲۲۹ھ ہے جو غلطی سے ۲۰-۱۲۲۴ھ چھپ گیا ہے۔اسی کتاب کے ۱۲۶۳ھ ایڈیشن کا دوبارا اندراج ہوا ہے۔

ص ۱۳۸: حسین شاہ حقیقت کی کتاب خزینۃ الامثال کا اندراج دو جگہ پر ہوا ہے۔ص ۱۳۸ پر حسین شاہ حقیقت کے تحت اور ص ۲۸۱ پر عبدالرحمان شاکر کے تحت۔ثانی الذکر اندراج درست نہیں ہے۔

ص ۱۴۶: ایک مصنف نورالدین محمد عبداللہ کی نسبت '' حیراجی'' لکھی ہے۔ یہ دراصل شیرازی ہے۔

ص ۱۴۷: خافی خان کی منتخب اللباب سراسر فارسی کتاب ہے معلوم نہیں اس کا اندراج کس حوالے سے عربی کتب میں ہوا ہے؟ نیز مطبع کا درست نام بپٹسٹ مشن ہے جو غلطی سے سٹیٹ مشین چھپ گیا ہے۔

ص ۱۹۸/۲۲۲: خزانۃ اللغات کا اندراج دو بار ہوا ہے۔پہلی بار مصنف ''سہسوانی، جمیل احمد'' کے تحت اور دوسری بار ''شاہ جہان بیگم'' کے تحت۔

ص ۲۱۶: ایک کاتب کا نام دو بار حسن محمد عادلگڑھی درج ہوا ہے۔میرا گمان ہے کہ یہ محمد حسین عادلگڑھی ہے۔

ص ۲۳۳: شمس الدین مغربی کا دیوان فارسی ہے اس کا عربی کتب میں اندراج محل نظر ہے۔

ص ۲۳۶: ایک کتاب شمع المجالس کا نام شمس المجالس چھپ گیا ہے۔ ص ۳۰۱: عبداللطیف شوشتری کی کتاب تحفۃ العالم مکمل فارسی میں ہے۔عربی کتب میں اس کا اندراج درست

نہیں ہے۔

ص ۳۰۳: عبدالودود کی فتاوی ودودیہ فارسی کتاب ہے۔عربی کتب میں اس کا اندراج درست نہیں ہے۔

ص ۳۶۱: سرورالعباد شرح قصیدۃ بانت سعاد کا سال طباعت ۱۳۰۵ھ لکھا ہے، درست تاریخ طباعت ربیع الآخر ۱۳۰۶ھ ہے۔

ص ۳۶۲: قران القرآن کے حاشیے پر چھپنے والے فارسی ترجمۂ قرآن کو شاہ رفیع الدین کا لکھا ہوا بتایا گیا ہے۔یہ شاہ ولی اللہ ہوگا! شاہ رفیع الدین کا ترجمہ اردو میں ہے۔

ص ۳۶۲: کلیم اللہ جہان آبادی کی مرقع کلیمی کا اندراج عربی کتاب کے طور پر محل نظر ہے، یہ فارسی میں ہے۔

ص ۳۶۷/۳۶۸: معجم کے مصنف کے پیش نظر کچھ ایسے مغربی مآخذ تھے جن سے نقل حرفی میں کچھ مسائل ہیں، جیسے ''گوستلک ملاباجوری''، ''لاجبوکی، بازمیر''۔معلوم نہیں کہ یہ کیا الفاظ ہیں؟

ص ۳۷۵: متنبی کے دیوان کی شرح تصویب البیان کے شارح کا نام مولوی عبیداللہ العبیدی لکھا ہے۔یہ دراصل تقریظ نگار ہیں، شارح نہیں۔اسی غلطی کا اعادہ آگے صفحات ۳۷۶، ۳۷۷ پر بھی ہوا ہے۔نیز ص ۳۷۷ پر تصویب کے جس ایڈیشن کو طبع کلکتہ بتایا گیا ہے وہ دراصل طبع آگرہ ہے اور اس کا اندراج ص ۳۷۵ پر ہو چکا ہے۔

ص ۳۷۷: سنائی غزنوی کی معروف فارسی مثنوی حدیقۃ الحقیقۃ کو عربی کتاب شمار کیا گیا ہے، نیز اس کا نام بھی غلط ''حدیقۃ الحدیقۃ'' لکھا گیا ہے۔

ص ۳۹۳: ایک فارسی کتاب تقویت دین مزدیسنا کو عربی کتاب شمار کیا گیا ہے، نیز لفظ مزدیسنا کو ''فردلسنۃ'' لکھا گیا ہے۔

ص ۴۱۲: ایک ایرانی عالم آغا بزرگ طہرانی کے نام میں تقدیم وتاخیر ہوگئی ہے اور اسے بزرگ آغا طہرانی لکھا ہے۔۲۰۱۵ء میں راقم السطور اور ڈاکٹر احمد خان اکٹھے نجف اشرف میں آغا بزرگ طہرانی کے مدفن پر گئے تھے۔

ص ۳۴/۵۱۵: فتوح الشام کے ایک ہی ایڈیشن کا اندراج ایک بار مصنف ''الازدی'' کے

تحت اور دوسری بار ''الواقدی'' کے تحت ہوا ہے۔

قرآن کریم کے اردو تراجم کی کتابیات: کتابیات کے حوالے سے ڈاکٹر صاحب کا تیسرا قابل قدر کام قرآن مجید کے اردو تراجم کی دو الگ الگ کتابیات ہیں۔ایک ان کی مرتبہ قرآن کریم کے اردو تراجم (کتابیات) ہے، جو سید عبدالقدوس ہاشمی کی نظر ثانی اور پیش لفظ کے ساتھ مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد نے دسمبر ۱۹۸۷ء میں ۲۹۶ صفحات میں شایع کی۔ یہ کتابیات مترجمین کے ناموں کی تہجی ترتیب پر مرتب ہوئی ہے اور اس میں کل ایک ہزار گیارہ (۱۰۱۱) اندراجات ہیں۔اس میں ایسی تفاسیر کو بھی شامل کیا گیا ہے جو ترجمہ نما ہیں یا تفسیر کے علاوہ الگ سے ترجمے کا احتوا بھی کرتی ہیں۔آخر میں دو اشاریے ''فہرست مطابع'' اور ''اسمائے مترجمین جنہوں نے دوسری زبانوں کے تراجم کو اردو میں ڈھالا'' ہیں۔اس کتابیات میں صرف مطبوعہ تراجم کو شامل کیا گیا ہے۔جو تراجم مرتب نے بچشم خود دیکھے ہیں ان کا مقام طباعت، مطبع کا نام، سال طباعت، تعداد صفحات اور جزوی یا مکمل ہونا بتایا گیا ہے۔بعض اندراجات میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ فلاں مطبوعہ نسخہ کس کتب خانے میں دستیاب ہے۔

اسلامی ممالک کی عالمی تنظیم (OIC) کے ادارۂ تحقیق برائے اسلامی تاریخ، فن اور ثقافت، استنبول نے قرآن کریم کے مطبوعہ تراجم (۱۵۱۵-۱۹۸۰ء) کی جو کتابیات ۱۹۸۶ء میں شایع کی اس میں بھی ڈاکٹر صاحب کا حصہ ہے۔اسی ادارے نے قرآن کریم کے مخطوط تراجم پر بھی ایک تین جلدی کتابیات میں شایع کی ہے۔اس سلسلے کی دوسری جلد، اردو تراجم کے مخطوطات سے متعلق ڈاکٹر صاحب کی مرتب کردہ ہے جو ۲۰۱۰ء میں ۱۹۴ صفحات میں شایع ہوئی۔اس کا عنوان حسب ذیل ہے:

World Bibliography of Translations of the

Holy Qur'an in manuscript from II (Translations in Urdu)

اس کتابیات میں مرتب نے ہر نسخے کے ضروری کوائف (تعداد اوراق، تقطیع، سطور، خط، کاتب، تاریخ کتابت، تزئینات)، ابتدائی اور انتہائی سطور، مترجم کا نام، کتب خانے کا نام جہاں نسخہ محفوظ ہے اور اپنا ماخذ بتایا ہے۔کتاب کے آخر میں مترجمین کے اسماء کا اشاریہ ہے۔کتابیات میں کل ۲۲۶ نسخے متعارف ہوئے ہیں۔

حسن صغانی سے اعتناء: اورینٹل کالج لاہور میں ایم اے عربی کرتے وقت (۶۷-۱۹۶۵ء)

استاذ میمن نے ڈاکٹر صاحب کو حسن بن محمد بن حسن صغانی لاہوری (وفات: ۶۵۰ھ) کی لغوی حیثیت پر کام کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے یہ مشورہ پلے باندھا اور اپنے باقی کاموں کے ساتھ ساتھ کسی نہ کسی طرح صغانی پر بھی کام کرتے رہے۔ صغانی پر ان کا پہلا کام کتاب الانفعال پر تحقیق ہے جو مجلہ الدراسات الاسلامیہ، اسلام آباد، جلد ۹، شمارہ ۴، سال ۱۹۷۴ء میں شایع ہوئی۔ ۱۹۸۲ء میں انہوں نے ڈاکٹر پیر محمد حسن کی نگرانی میں اپنا پی ایچ ڈی کا مقالہ ''عربی لغت نویسی میں الحسن بن محمد بن الحسن الصغانی (م ۶۵۰ھ) کی خدمات'' لکھا۔ اس مقالے کے چار ابواب ہیں:

باب اول: صغانی کے سوانح حیات،

باب دوم: صغانی کا علم لغت میں حصہ، تالیفات کا جائزہ،

باب سوم: صغانی کا لغت میں منہاج اور مدرسہ،

باب چہارم: صغانی کے اثرات دیگر حضرات پر۔

پی ایچ ڈی مکمل کرنے کے بعد ڈاکٹر صاحب کے صغانی کے بعض رسائل تحقیق کے ساتھ شایع کیے یا صغانی سے متعلق عربی مقالے لکھے جن کی فہرست ذیل میں ہے:

-لیس هذا الكتاب نقعة الصديان بل هو كتاب فعلان، مجلۃ کلیۃ الآداب جامعۃ الملک سعود الاسلامیہ، ریاض، ۱۹۸۶ء۔

-نقعة الصديان، صغانی (تحقیق)، مدینہ منورہ، ۱۹۸۷ء۔

-تعزيز بيتي الحريري، صغانی، مجلۃ مجمع اللغۃ العربیۃ، دمشق، ۱۹۸۴ء۔

-اسما الغادة في اسماء العادة، صغانی، مجلۃ البحث العلمی واحیاء التراث الاسلامی، جامعۃ امّ القری، مکۃ المکرمہ، ۱۹۸۴ء۔

-المرتجل في شرح القلادة السمطية في توشيح الدريدية، صغانی، (تحقیق)، ریاض، ۱۹۸۹ء۔

-سماعات مؤلفات الصغاني اللغوية، مجلۃ معہد المخطوطات العربیۃ، قاہرہ، ۱۹۹۴ء۔

-دارات العرب، صغانی، (تحقیق و تکمیل)، مجلۃ العرب، ریاض، ۲۰۱۶ء۔

-مصادر الصغاني وموارده لمؤلفاته اللغوية، مجلۃ المورد، بغداد، ج ۱۹، ش ۱، ۱۹۹۵ء۔

عرب محققین نے صغانی کی جو کتب شایع کی ہیں بعض پر ڈاکٹر صاحب کے تنقیدی مضامین شایع ہوئے ہیں جیسا کہ صغانی کی کتاب **ما بنته العرب علی فعال** طبع بتحقیق دکتور عزۃ حسن، مجمع العلمی العربی، دمشق، ۱۹۶۴ء پر تنقیدی مضمون مجلۃ مجمع اللغۃ العربیۃ، دمشق ۱۹۷۲ء میں چھپا۔ صغانی کی ایک اور کتاب **مختصر شرح قلادة السمطية** طبع بتحقیق دکتور سامی مکی العانی وسید ہلال ناجی پر تنقیدی مضمون مجلۃ المورد، (بغداد)، ۱۹۸۵ء میں طبع ہوا۔

صغانی کی معروف عربی لغات العباب الزاخر واللباب الفاخر پر مدتوں ڈاکٹر پیر محمد حسن نے تحقیق کی اور اسے مرتب کیا۔ لیکن اس کی اشاعت نہیں ہو پا رہی تھی۔ آخر بغداد کے مجمع العلمی العراقی سے اس کی اشاعت کا معاہدہ طے پایا اور اس کا الجزء الاول/ القسم الاول (حرف الہمزہ) ۱۹۷۸ء میں شایع ہوا۔ ۱۹۸۰ء میں ایران عراق جنگ شروع ہوئی تو بغداد سے اس کتاب کی مزید کوئی جلد شایع نہ ہوسکی۔ بعد میں پاکستان میں قومی ہجرہ کونسل، اسلام آباد نے اس کی اشاعت کی ذمہ داری لی۔ لاہور کے ایک مطبع میں اس کی ٹائپ کمپوزنگ شروع ہوئی۔ ڈاکٹر احمد خان نے اس کے پروف پڑھے۔ اس کی چار جلدیں ہی شایع ہو پائی تھیں کہ ۱۹۹۳ء میں ہجرہ کونسل توڑ دی گئی اور اس کے منصوبے بھی ختم ہو گئے۔ کونسل کے اثاثے ادارۂ تحقیقات اسلامی کو منتقل ہوئے، جن میں العباب کی طبع شدہ چار جلدیں بھی شامل تھیں۔ (چوتھی جلد کے کچھ کراسے مطبع نے غلطیاں لگائے بغیر طبع کر دیے اور کتاب کی جلد بندی ہوگئی۔ بعد میں اس جلد کی اشاعت روک دی گئی)۔ العباب کی پاکستان سے بقیہ جلدیں شایع نہیں ہوسکیں۔ تاہم ایک عرب، محمد حسن آل یاسین نے اپنے مختصر مقدمہ کے ساتھ العباب کے قلمی نسخوں کا عکسی ایڈیشن بغداد سے شایع کیا ہے۔ شایع شدہ نسخہ، صغانی کے ہاتھ کے لکھے ہوئے دو حصے اور ایک صغانی کے سامنے پڑھا ہوا حصّہ ہے۔

دیگر عربی تحقیقات: ڈاکٹر صاحب کے علمی کاموں کی ایک طویل فہرست ہے۔ یہاں ان کی تحقیق کے ساتھ شایع ہونے والی چند قدیم عربی کتب کا بلا تبصرہ ذکر کیا جاتا ہے:

خلق الانسان فی اللغہ، ابی محمد الحسن بن احمد شیرازی، کویت، ۱۹۸۷ء، اس تحقیق پر ڈاکٹر صاحب کو **مجمع اللغة العربية**، قاہرہ کی طرف سے بہترین تحقیق کا ایوارڈ ملا جو کسی بھی غیر عرب (عجمی) محقق کو دیا جانے والا واحد ایوارڈ ہے۔

الفقہ النافع، ابی القاسم محمد بن یوسف سمرقندی، اسلام آباد، ۱۹۹۷ء۔

طبقات القراء، ذہبی، ریاض، ۲۰۰۷ء۔

المنتخب من سنن العرب، ثعالبی، قم، ۲۰۰۹ء۔

الشفا بتعریف حقوق المصطفی، قاضی عیاض، بحرین، ۲۰۱۵ء، فیکسیملہ ایڈیشن ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے چند مختصر عربی رسائل بھی تحقیق کر کے جرائد میں چھپوائے ہیں۔ ان کا ذکر بہ ترتیب سال اشاعت اس طرح ہے:

الاسم والمسمی، ابن سید البطلیوسی، مجلۃ مجمع اللغۃ العربیۃ، دمشق، ۱۹۷۲ء۔

المعاریض، ابن فارس، مجلۃ المورد، بغداد، ۱۹۸۴ء۔

استعارۃ اعضاء الانسان، ابن فارس، مجلۃ المورد، بغداد، ۱۹۸۵ء۔

افراد کلمات فی القرآن، ابن فارس، مجلہ الدراسات الاسلامیہ، اسلام آباد، ۱۹۸۶ء۔

ڈاکٹر صاحب بے تکان عربی بولتے اور لکھتے ہیں۔ قرآن کریم کے اردو تراجم (کتابیات) کے علاوہ، جو اردو میں ہے اور قرآن کریم کے اردو تراجم کے مخطوطات کی کتابیات جو انگریزی میں ہے، اس مضمون میں ڈاکٹر صاحب کی جن مطبوعہ مولفات یا مرتبات کے کوائف درج ہوئے ہیں وہ تمام کی تمام عربی زبان میں لکھی گئی ہیں۔ عربی لکھنے کی مہارت ان کے عربی مقالات اور تصانیف سے ظاہر و باہر ہے۔ میں نے کربلا اور نجف میں انھیں عربوں کے ساتھ بلا تکلف عربی بولتے ہوئے دیکھا، بلکہ وہاں کے کوچہ و بازار میں میرے مترجم بھی ڈاکٹر صاحب ہی تھے!

تذکر: اس مضمون میں شامل ڈاکٹر احمد خان کے ذاتی حالات ان سے ۱۲ اور ۱۵ جولائی ۲۰۱۷ء کو کیے گئے میرے ایک طویل ٹیلی فونی مصاحبے سے ماخوذ ہیں اور مزید اطمینان کے لیے یہ مضمون قبل از اشاعت انھیں دکھا لیا گیا اور ۲۵ جولائی ۲۰۱۷ء کو ان کی خدمت میں ذاتی طور پر حاضر ہو کر اس کے مندرجات اور محتویات کی تائید حاصل کی گئی۔ ان کے علمی حالات انھی کی ایک غیر مطبوعہ عربی تحریر ''الدکتور احمد خان: بیان مختصر للسیرۃ الاکادیمیۃ'' سے لیے گئے ہیں۔ لہٰذا اس مضمون کے مندرجات کی صحت پر اطمینان کیا جا سکتا ہے۔

آثار علمیہ وتاریخیہ

سرسید کی ایک نادر عربی تحریر
بسلسلۂ سفر روم ومصر وشام مولانا شبلی نعمانی

کلیم صفات اصلاحی

علامہ شبلی کو علم ومطالعہ اور عالم اسلام کے حالات بالخصوص مسلمانوں کی علمی، تعلیمی، مذہبی اور تمدنی تاریخ سے شروع ہی سے دلچسپی تھی۔ ۱۸۷۶ء میں ۱۹/ برس کی عمر میں جب انہوں نے حج کا سفر کیا تو حرمین شریفین کے کتب خانوں سے خاص طور پر استفادہ کیا۔ ترکوں سے بھی انہیں محبت تھی چنانچہ ۱۸۷۸ء میں جنگ روم وروس کے موقع پر انہوں نے ترکوں کے لیے اعظم گڑھ سے ۳/ ہزار کی خطیر رقم کا چندہ کیا اور ترکی سفیر ممبئی حسین حبیب آفندی کے ذریعہ قسطنطنیہ بھیجا۔

جب ۱۸۸۳ء میں وہ علی گڑھ کالج سے وابستہ ہوئے اور سرسید سے قربت وانسیت پیدا ہوئی تو مطالعہ وکتب بینی کے شوق نے انہیں سرسید کے کتب خانہ تک پہنچایا۔ سید صاحب نے اپنے ذاتی کتب خانہ میں مطالعہ کی ان کو عام اجازت دے رکھی تھی۔ وہاں انہیں عربی تاریخ وجغرافیہ کی وہ نادر کتابیں نظر آئیں جو یورپ یا مصر وشام اور قسطنطنیہ میں چھپی تھیں تو مولانا سید سلیمان ندوی کے بقول ''ان کی آنکھیں کھل گئیں اور یہیں سے تاریخ اسلام کے مطالعہ کا نیا دور شروع ہوا'' (۱) خود مولانا شبلی نے بھی ایک خط میں لکھا ہے کہ ''تصانیف کا شوق ابتداءً مجھ کو ان تاریخی تصنیفات کے دیکھنے سے ہوا تھا جو یورپ میں چھپی ہیں اور ایک موقع پر مجھ کو بہت سی کتابیں یکجا ملی تھیں جن کو میں نے پہلے نہیں دیکھا تھا''۔ سید صاحب لکھتے ہیں کہ ''یہ یکجا کتابیں سرسید کا کتب خانہ تھا'' (۲)۔ اس ضمن میں علامہ شبلی کا یہ جملہ بھی قابل توجہ ہے کہ ''سید صاحب کے پاس تاریخ وجغرافیۂ عربی کی چند ایسی کتابیں ہیں جن کو

رفیق دارالمصنّفین، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ۔

میں کیا بڑے بڑے لوگ نہیں جانتے ہوں گے۔ مگر یہ سب کتابیں یورپ میں طبع ہوئی ہیں، مصر کے لوگوں کو بھی نصیب نہیں''۔(۳)

چنانچہ ترکوں سے محبت اور تصنیفی و تاریخی ذوق کی جو ابتدا اعظم گڑھ میں ہو چکی تھی، اس کی نشو ونما سرسید کی صحبت اور ان کے کتب خانہ سے استفادہ کی مرہون منت ہے۔ یورپ کی اعلیٰ تصنیفات سے واقفیت، ہیروز آف اسلام کا خیال، تحقیق و تدقیق اور اعتقادی و کلامی مسائل میں دقیقہ رسی، اسلام اور مسلمانوں پر بے جا اعتراضات کا مدلل اور مسکت جواب دینے کا جذبہ اور سب سے بڑھ کر ان کے علمی مزاج اور تنقیدی صلاحیت کو پر پرواز علی گڑھ کالج ہی میں نصیب ہوا۔ جس کے نتیجہ میں مسلمانوں کی گذشتہ تعلیم، المامون، سیرۃ النعمان جیسی شبلی کی شاہکار تصنیفات سے علمی دنیا آشنا ہوئی۔ اس کے علاوہ درجنوں اعلیٰ پایہ کے علمی مقالات کتب خانہ اسکندریہ، الجزیہ، حقوق الذمیین وغیرہ نے شبلی کی عالمانہ حیثیت اور قدر و منزلت میں چار چاند لگا دیے۔ سرسید نے نہ صرف ان تصنیفات کو اپنے کالج سے اور مقالات کو انسٹی ٹیوٹ گزٹ میں شائع کیا بلکہ مذکورہ تصنیفات پر اپنے توصیفی کلمات اور گراں قدر خیالات بھی ظاہر کیے۔ اس سے ایک طرف تو شبلی کے علمی مقام و وقار اور دوسری طرف کالج کی نیک نامی، اس کی علمی و ادبی سرگرمیوں اور مالی استحکام میں بھی اضافہ ہوا۔ اسی زمانہ میں جزیہ پر مولانا کی معرکہ آرا تحریر شائع ہوئی تو سرسید نے اس پر اپنی بے نظیر رائے ظاہر کی، لکھتے ہیں:

> ''اس میں کچھ شبہہ نہیں کہ ہمارے کالج کے پروفیسر محمد شبلی نے اپنی تصانیف سے ملک کو بہت فائدہ پہنچایا ہے۔ المامون، سیرۃ النعمان، کتب خانہ اسکندریہ اور الجزیہ بے مثل اور بے نظیر کتابیں ہیں اور وہ نعوذ باللہ رسالہ ''الجزیہ'' کی نسبت مسلمانوں کو مخاطب کر کے یہ کہیں کہ ''فأتوا بسورة من مثله'' تو کچھ تعجب نہ ہوگا۔ ایسا بے جا اور غلط الزام مسلمانوں پر تھا اس کا آج تک کسی نے ایسی عمدگی سے حل نہیں کیا تھا''۔(۴)

سرسید نے اس کا انگریزی میں ترجمہ کرایا (۵) اور مولانا شبلی نے خود اس کو عربی میں منتقل کیا جس سے مشرق و مغرب میں اس کو خوب شہرت ملی اور ''مصر کے مشہور اخباروں، رسالوں اور تصنیفوں میں اس کے خلاصے اور اقتباسات چھپے''۔(۶)

مختصر یہ کہ کالج میں تقریباً نو دس برس گذارنے کے بعد علامہ شبلی کی شخصیت میں پوری طرح نکھار آچکا تھا، ان کا تاریخی، ادبی، ملی اور تحقیقی ذوق پختہ ہو چکا تھا، مسلمانوں کے گذشتہ و موجودہ علمی و تعلیمی حالات سے وہ واقف ہو چکے تھے، تصنیف و تالیف میں ان کو خاص مہارت حاصل ہو چکی تھی، دوران تصنیف انگریزوں کی علمی خیانتوں اور تحقیقی بددیانتیوں کا اندازہ بھی ہو چکا تھا، کتب خانہ اسکندریہ اور الجزیہ کے متعلق حضرت عمرؓ پر مستشرقین کے الزامات کا محاکمہ اور صحیح تحقیق وہ پیش کر چکے تھے۔ اس لیے انہوں نے جب الفاروق لکھنے کا منصوبہ بنایا تو محسوس ہوا کہ مغربی اسکالرس نے حضرت عمرؓ کی کردار کشی کے لیے جو تانے بانے بنے ہیں، ان کی تصحیح و تردید کے لیے ہندوستان میں دستیاب علمی مواد کافی نہیں ہے، اس لیے انہوں نے ممالک اسلامیہ کے سفر کا پروگرام بنایا اور ہندوستان کی علمی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا، یہ سفر اس لحاظ سے نہایت اہمیت کا حامل ہے کہ کالج سے پہلی بار کوئی استاد محض اپنی ''علمی تشنگی'' بجھانے کے لیے بلاد اسلامیہ کے سفر پر گیا۔ یہی وجہ ہے کہ سوانح نگارانِ شبلی نے ان کے اس سفر کو خصوصی اہمیت دی اور اس کے متعلق بہت سی تفصیلات پہنچائی ہیں۔ مولانا سید سلیمان ندویؒ اس سفر کے اسباب و مقاصد اور روانگی کے متعلق لکھتے ہیں:

> ''تنگ نائے اعظم گڑھ سے نکل کر اگرچہ علی گڑھ میں مولانا کے پر پرواز کے لیے ایک وسیع فضا مل گئی تھی تاہم کتابوں سے جو عشق ان کو پیدا ہو گیا تھا اس کے لیے اس سے بھی زیادہ وسیع فضا کی ضرورت تھی۔ اب ان کو علمی تشنگی بجھانے کے لیے کنوؤں اور نہروں کا پانی نہیں سمندر درکار تھا۔ الفاروق جس کے لکھنے کے لیے وہ بیتاب تھے اس کے لیے ہندوستان کے کتب خانے کافی نہ تھے۔ اس لیے مصر و شام اور قسطنطنیہ کے کتب خانوں کے کھنگالنے کی حاجت تھی۔ اس کے علاوہ ان کے دل میں گذشتہ شاہانہ اسلامی شان و شوکت کی واحد یادگار ٹرکی کے ساتھ جو عقیدت و محبت تھی اس نے بھی ان کو مجبور کیا کہ وہ عمر میں ایک دفعہ دیار محبوب کی سیر کر لیں''۔

آگے لکھتے ہیں:

> ''اس طرح چھ مہینے کی رخصت لی اور ۲۶ رمضان المبارک ۱۳۰۹ھ مطابق ۲۶ اپریل ۱۸۹۲ء کو علی گڑھ سے روانہ ہو گئے''۔(۷)

شبلی کے سفر کی دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ اس وقت ہندوستان میں برطانوی حکومت تھی، ہندوستانی مسلمان عالم اسلام کے سیاسی، علمی، تمدنی حالات سے یکسر ناواقف تھے۔ شبلی چاہتے تھے کہ مسلمانوں کو ان کے حقیقی حالات کا علم ہو جیسا کہ سفرنامہ کے دیباچہ میں لکھتے ہیں: ''چوں کہ ایک مدت سے ہماری جماعت میں سیر و سیاحت کا طریقہ بند ہے اور اس وجہ سے اسلامی ممالک کے صحیح حالات سے بالکل اطلاع نہیں حاصل ہوتی''۔(۸)

علامہ شبلی کے اس علمی سفر سے سرسید کو ابتدا ہی سے واقفیت اور خصوصی دلچسپی تھی، یہی وجہ ہے کہ علامہ شبلی نے ان کو اپنی مصروفیات سے برابر باخبر رکھا۔ مکاتیب شبلی میں سرسید کے نام علامہ شبلی کے جو تین خطوط شامل اشاعت ہیں ان میں دو خط شبلی نے ان کو قسطنطنیہ ہی سے لکھے ہیں، سفرنامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شبلی دوران سفر وہاں کے علمی و تعلیمی حالات سے خط کے ذریعہ سرسید کو مطلع کرتے رہے، سید صاحب بڑے اہتمام سے انسٹی ٹیوٹ گزٹ میں ان خطوط کو بھی شائع کرتے رہے۔

البتہ سفر کے متعلق یہ بات کم لوگوں کے علم میں ہوگی کہ روانگی سے قبل سرسیدؒ نے علامہ شبلی کے لیے عربی میں ایک ''تصدیق نامہ'' تحریر کیا تھا جس کو علامہ شبلی نے مدت العمر یعنی تقریباً ۲۲ برس تک سنبھال کر رکھا اور جو دارالمصنّفین کے کتب خانہ میں اب تک محفوظ اور اس پر تقریباً سوا سو برس کا عرصہ گذر چکا ہے۔ اس سے سرسید کی تحریروں کے متعلق شبلی کی خصوصی دلچسپی و تعلق اور دونوں بزرگوں کے درمیان باہمی محبت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ شبلی کو اس تصدیق نامہ کے استعمال کی ضرورت پیش آئی یا نہیں اس کی تفصیلات تلاش بسیار کے باوجود ہمارے علم میں نہ آسکیں۔

شبلی صدی تقریبات کے موقع پر جب میوزیم کی تزئین و آرائش کا اہتمام کیا گیا تو اس وقت اکابر رجال کے مکتوبات و مسودات کی نمائش کے لیے ایک صیغہ بھی قائم کیا گیا تھا۔ اس میں سرسید کی یہ قیمتی تحریر بھی نمائش کے لیے رکھی گئی۔ ابھی حال ہی میں مولانا محمد اجمل اصلاحی صاحب نے توجہ دلائی کہ چونکہ یہ تحریر ابھی تک کہیں شائع نہیں ہوئی ہے، اس لیے آثار علمیہ و تاریخیہ کے تحت اس قیمتی تحریر کا عکس مع اردو ترجمہ شائع کر دینا بہت بروقت اور مناسب ہوگا۔ خاص طور سے اس لیے بھی کہ اسی مہینہ میں سرسید کی ولادت پر دو سو سال پورے ہو رہے ہیں، لیکن مزید توثیق و تصدیق کے خیال سے حیات شبلی، سیرت شبلی، ذکر شبلی، یادگار شبلی، مکتوبات و خطوط شبلی، شبلی کی آپ بیتی، آثار شبلی، شبلی شناسی کے اولین

نقوش کے علاوہ حیاتِ جاوید وغیرہ کے اوراق پر نگاہ ڈالی کہ شاید ان اہم کتابوں میں اس تصدیق نامے سے متعلق تفصیل مل جائے۔لیکن کچھ ہاتھ نہیں لگا۔ان کے علاوہ معارف کے باب آثار علمیہ کے تحت بھی یہ قیمتی تحریر نظر نہیں آئی۔خود سفر نامہ میں بھی اس کے متعلق کوئی اطلاع نہیں ہے۔

خاص طور پر اس وقت جب کہ سرسید کے دوسو سالہ جشن کا پورے ملک میں اہتمام ہو رہا ہے۔قارئین معارف کے لیے یہ یقیناً ایک بیش قیمت تحفہ ہے۔

یہ محض تصدیق نامہ نہیں بلکہ سرسید کے دل میں شبلی کا جو علمی مقام اور ادبی مرتبہ تھا اس کا اعتراف و اظہار بھی ہے۔اس کی اہمیت اس لیے بھی محسوس کی جائے گی کہ اس سے قبل علمی دنیا نے سرسید کی شاید ہی اس قدر فصیح و بلیغ عربی تحریر دیکھی ہو۔اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ روانگی سے تقریباً آٹھ روز قبل سرسید نے یہ تحریر لکھی تھی۔آیندہ سطور میں سرسید کے اس عربی تصدیق نامے کا عکس مع اردو ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

عکس تحریر سرسید

انی اشهد ان الشيخ الحاج شبلي النعماني المدرس الاول في مدرسة العلوم للمسلمين الكائنة في علي كڈه من بلاد الهند رجل من اهل بيت المجد والشرافة له قدم صدق في العلوم العربية والفارسية اديب فاضل شاعر له عدة تصانيف في العلوم المختلفة وقد طبعت كلها وشاعت في بلاد الهند واخذها الناس بالقبول - اقام مدرسا في المدرسة المزبورة نحو عشر سنين يدرس الفقه والادب والتفسير والآن يريد ان يطوف بلاد الروم ومصر وما يليها حرصا علي سعة الاطلاع وشغفا بالوقوف علي خزاين الكتب وشوقا لادراك صحبة علماء تلك البلاد زادهم الله شرفا واني اعطيته ذلك السند ليكون له حجة واستنادا عند الحاجة فقط

علي كڈه

۲۰ رمضان سنه ۱۳۰۹ هجري و ۱۸ اپريل سنه ۱۸۹۲ع

حرره العبد المفتقر الی الله الصمد

سید احمد

المعتمد لامناء مدرسة العلوم المسمی بمحمدن اینگلو اورینٹل کالج

نقل تحریر سرسید

اني اشهد ان الشيخ الحاج شبلي النعماني المدرس الاول فی مدرسة العلوم للمسلمين الكاينة في علي كده من بلاد الهند رجل من اهل بيت المجد و الشرافة له قدم صدق في العلوم العربية و الفارسية اديب فاضل شاعر له عدة تصانيف في العلوم المختلفه وقد طبعت كلها وشاعت في بلاد الهند واخذها الناس بالقبول - اقام مدرسا فی المدرسة المزبورة نحو عشر سنين يدرس الفقه و الادب و التفسير و الآن يريد ان يطوف بلاد الروم و مصر وما يليها حرصا علي سعة الاطلاع و شغفا بالوقوف علي خزاين الكتب و شوقا لادراک صحبة علماء تلک البلاد زادهم الله شرفا و اني اعطيه ذلک السند ليكون له حجةً و استناداً عند الحاجة فقط

علی کده حرره العبد المفتقر الى الله الصمد

۲۰/ رمضان ۱۳۰۹ هجري و ۱۸/ اپریل ۱۸۹۲ ع سيد احمد

المعتمد لامناء مدرسة العلوم المسمي

محدن اينجلو اورينطل كالج

اردو ترجمہ

میں تصدیق کرتا ہوں کہ شیخ حاجی شبلی نعمانی جو ہندوستان کے شہر علی گڑھ میں واقع مسلمانوں کے ''مدرسۃ العلوم'' میں مدرس اول ہیں۔ان کا تعلق ایک معزز خانوادے سے ہے۔عربی و فارسی علوم میں ان کو دستگاہِ کامل حاصل ہے۔ادیب، فاضل، شاعر ہیں۔مختلف علوم وفنون میں ان کی متعدد تصانیف ہیں اور سب کی سب چھپ کر ہندوستان بھر میں شائع اور لوگوں میں حسن قبول حاصل کر چکی ہیں۔تقریباً دس برس سے مدرسہ میں فقہ، ادب اور تفسیر کا درس دے رہے ہیں اور اس وقت روم ومصر اور اس کے قریبی ممالک کے سفر پر جانے والے ہیں تاکہ وسعت مطالعہ اور وہاں کے کتب خانوں سے استفادہ کا اپنا شوق پورا کرسکیں اور ان ممالک کے علما سے کسب فیض کی اپنی خواہش کی تکمیل کا سامان کرسکیں۔اللہ تعالیٰ ان ممالک کے علماء کے شرف میں

اضافہ فرمائے۔ میں نے یہ تصدیق نامہ ان کو اس لیے دیا ہے کہ حسب ضرورت یہ ان کے کام آئے۔ فقط۔

علی گڑھ حررہ العبد المفتقر الی اللہ الصمد

۲۰ رمضان ۱۳۰۹ ہجری و ۱۸ اپریل ۱۸۹۲ء سید احمد

سکریٹری مدرسۃ العلوم محمڈن اینگلو اورینٹل کالج

حواشی

(۱) حیات شبلی، علامہ سید سلیمان ندوی، ص ۱۸۶، دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، ۲۰۱۵ء۔ (۲) بحوالہ حیات شبلی، ص ۱۸۶۔ (۳) مکاتیب شبلی جلد اول مولانا سید سلیمان ندوی، ص ۶۳، دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، ۲۰۱۰ء۔ (۴) مقالات سرسید، محمد اسماعیل پانی پتی، جلد ۷، ص ۳۲۵، ترقی ادب لاہور، ۱۹۹۱ء۔ (۵) بحوالہ آثار شبلی، ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی، ص ۱۱۰، دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، ۲۰۱۳ء۔ (۶) حیات شبلی، ص ۲۵۹۔ (۷) ایضاً، ص ۲۲۹۔ (۸) سفرنامہ روم و مصر و شام، علامہ شبلی، ص ۱۳، دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، ۲۰۱۵ء۔

سفرنامہ روم و مصر و شام
علامہ شبلی نعمانی

مولانا شبلی نعمانی مرحوم کا سفرنامہ، جس میں مولانا نے ترکی، شام اور مصر کے مسلمانوں کے علمی، تعلیمی، اخلاقی اور تمدنی حالات اور دیگر وقائع سفر اور حوادث سیاست بہ تفصیل بیان کیے ہیں۔ غازی عثمان پاشا سے ملاقات اور تمغۂ مجیدیہ عطا کیے جانے، تمغۂ مجیدیہ کی تصویر، فارسی زبان میں پاشائے موصوف کے فرمان کی نقل بالخصوص ان ممالک کے عصری و مذہبی تعلیمی اداروں، شعبہ جات، اساتذہ، طلبہ، کتب خانوں اور مطابع وغیرہ کی صورت حال پر کھل کر روشنی ڈالی ہے۔ آخر میں زبان حال کے الفاظ کی ایک مختصر فرہنگ بھی دی ہے۔ قارئین کی سہولت کے پیش نظر جدید ایڈیشن کے آخر میں اشاریہ بھی تیار کرا کے لگا دیا گیا ہے۔

قیمت =/۲۰۰ روپے

معارف کی ڈاک

غالب کے نسخۂ حمیدیہ کے بیان میں تسامحات

مدینہ منزل،
نیو سرسید نگر، علی گڑھ
۸/اگست ۲۰۱۷ء

محترم عالی جناب مدیر معارف، زید مجدہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ماہنامہ معارف کے مئی ۲۰۱۷ء کے شمارہ میں پروفیسر ظفر احمد صدیقی کا مقالہ غالب کے اس مجموعہ کلام پر شائع ہوا ہے جو نسخہ حمیدیہ کہلاتا ہے۔ غالب کے اس دیوان کو نسخۂ حمیدیہ اس بنا پر کہا جاتا ہے کہ یہ دیوان نواب حمید اللہ خاں کے کتب خانہ، بھوپال میں تھا مگر اصلاً یہ نسخہ بھوپال میں نواب سکندر جہاں بیگم کے چھوٹے ماموں فوجدار محمد خاں کے کتب خانہ میں آیا پھر وہ دیوان نواب حمید اللہ خاں کے کتب خانہ میں پہنچ گیا۔ جب ریاست بھوپال ہندوستان میں شامل ہوئی تو اس انضمام کے ہنگامہ میں وہ پوری الماری غائب ہوگئی جس میں نواب صاحب بھوپال نے نادر مخطوطات رکھے تھے، ان میں نسخۂ حمیدیہ بھی تھا۔ یہ نسخہ برسوں مفقود رہا اور اب امریکہ سے ۲۰۱۵ء میں ظاہر ہوا ہے اور اس کی ڈیجیٹل کاپی فروخت ہو رہی ہے۔ بھوپال کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس شہر سے غالب کے دیوان کے دو اہم اور باہم مختلف نسخے برآمد ہوئے۔ پہلا نسخۂ حمیدیہ یا نسخۂ بھوپال کہلاتا ہے اور دوسرا نسخہ، نسخۂ امروہہ یا بیاض غالب کہلاتا ہے۔ نواب سکندر جہاں بیگم کے چھوٹے ماموں نواب فوجدار محمد خاں کے غالب سے تعلقات تھے اور وہ غالب سے ملنے برابر دہلی جاتے تھے۔ مہر افشاں فاروقی لکھتی ہیں کہ جب غالب کے پاس ان کے دیوان کے کئی نسخے ہو گئے تو یہ نسخہ انہوں نے فوجدار محمد خاں کو ہدیہ کر دیا جواب نسخۂ حمیدیہ کہلاتا ہے۔ غدر کے موقع پر فوجدار محمد خاں نے نواب بھوپال کی جانب سے غالب کو بھوپال آنے کی دعوت دی اور ان کو ایک رقم بھی بھجوائی۔ نواب فوجدار محمد خاں سے غالب کے تعلقات قریبی

تھے۔نسخہ امروہہ کیسے بھوپال پہنچا اس کی تاریخ معلوم نہیں مگر امکان یہی ہے کہ فوج دار محمد خاں کے ذریعہ وہ بھوپال پہنچا ہوگا۔

پروفیسر ظفر احمد صدیقی کا مقالہ تسامحات سے پُر ہے، اس مقالہ میں مندرجہ ذیل تسامحات ہیں۔ غالب خوش نصیب ہیں کہ ان کے دیوان کے بہت سے نسخے ہیں اور ہر نسخہ اپنی خصوصیت کا حامل ہے۔غالب کی زندگی میں جو دیوان شائع ہوئے وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ غالب کے دیوان کا پہلا ایڈیشن اکتوبر ۱۸۴۱ء میں دہلی میں شائع ہوا۔اس میں اغلاط ہیں۔ ۲۔دوسری بار مطبع دارالسلام حوض قاضی، دہلی سے مئی ۱۸۴۷ء میں شائع ہوا۔اس میں اغلاط بہت ہیں۔ ۳۔مطبع احمدی شاہدرہ، دہلی سے ۲۹/جولائی ۱۸۶۱ء کو شائع ہوا اس میں غلطیاں بہت ہیں۔ ۴۔غالب نے تیسرے ایڈیشن کی غلطیاں خود درست کر کے مطبع نظامی کانپور سے جون ۱۸۶۲ء میں شائع کرایا۔ ۵۔مطبع خلائق، آگرہ، باہتمام منشی شیونرائن آرام، ۱۸۶۳ء۔

منشی شیونرائن کا شائع کردہ غالب کی زندگی میں آخری دیوان ہے۔اس آخری دیوان کا عکس پروفیسر حکیم سید ظل الرحمٰن نے ابن سینا اکیڈمی، علی گڑھ سے دوبارہ شائع کر دیا ہے ۲۰۱۶ء میں حکیم صاحب خود بھی بھوپالی ہیں اور وہ نسخۂ حمیدیہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''مرزا نے جس اصل دیوان سے انتخاب کر کے اپنا اردو دیوان تیار کیا تھا خوش نصیبی سے اس کا ایک نسخہ میاں فوج دار محمد خاں بہادر بھوپال کے کتب خانہ میں محفوظ تھا جہاں سے یہ نسخہ حمیدیہ کے نام سے شائع ہوا ہے، اصل مخطوطہ ۱۸۲۱ء کا کتابت کردہ ہے''۔(ملاحظہ ہو مقدمہ حکیم سید ظل الرحمٰن، منشی شیونرائن آرام کا آگرہ سے شائع کردہ دیوان غالب عکسی، طباعت علی گڑھ، ۲۰۱۶ء، ص ۷)

غالب کے دیوان نسخۂ حمیدیہ کی طویل تاریخ ہے۔ یہ دیوان انتخاب کلام سے قبل کا ہے۔اس لیے ماہرین کلام غالب اسی نسخہ کو مرجع بنا کر غالب کے بارے میں بحث و تحقیق کرتے رہے ہیں، چنانچہ چار دانش وروں نے کلام غالب کے نسخۂ حمیدیہ پر اپنے اپنے خیالات ظاہر کیے، اس کی تدوین کی اور اپنے خیالات سے مزین کر کے نسخۂ حمیدیہ کو اپنے عالمانہ ریمارکس کے ساتھ شائع کیا۔ان لوگوں نے بھوپال جا کر کلام غالب کو نسخۂ حمیدیہ سے نقل کیا۔ذیل میں ان کے اسمائے گرامی نقل کرتا ہوں:

نسخۂ عرشی: مولانا امتیاز علی خاں عرشی نے بھوپال کئی بار جا کر نسخۂ حمیدیہ کو نقل کیا اور اپنا نسخہ تیار کیا ہے، کلام غالب میں حاشیہ کے اشعار کو اصل متن سے مفتی انوار الحق صاحب نے ملا دیا تھا، ان کو الگ کیا، مگر عرشی صاحب پورا دیوان نقل نہ کر سکے تھے۔ قلت وقت اور سفر کے باعث پروفیسر نثار احمد فاروقی نے نسخۂ عرشی سے نسخہ امروہہ کا موازنہ کر کے ۴۰ صفحات پر مشتمل مقدمہ نسخہ امروہہ پر لکھا ہے اور بتایا ہے کہ نسخہ امروہہ دراصل نسخۂ حمیدیہ کی تصحیح کا عمدہ مرجع ہے اور انہوں نے چند غزلوں کا موازنہ کر کے عملی نمونہ بھی پیش کر دیا ہے۔

نسخہ حمیدیہ پروفیسر حمید احمد خاں کا مرتبہ: پروفیسر صاحب نے نسخۂ حمیدیہ کو اپنی تعلیقات کے ساتھ شائع کیا ہے۔ اس لیے اس نسخہ سے اصل نسخہ کا موازنہ کرنا ضروی تھا۔ مگر ظفر صدیقی کا یہ تسامح ہے کہ انہوں اس پر تبصرہ نہیں کیا۔

نسخہ سید عبداللطیف حیدرآبادی: انہوں نے اپنے اثرات سے اصل نسخہ حمیدیہ کو حاصل کر لیا اور ایک سال اپنے پاس رکھا۔ پھر انہوں نے اپنا نسخہ تیار کیا۔ مگر جس پریس میں ان کا تیار کردہ نسخہ چھپ رہا تھا اس پریس میں آگ لگ گئی۔ بہر حال اس کا ایک فرما مولانا امتیاز علی عرشی کو مل گیا اور انہوں نے اس کو اپنے تبصرہ کے ساتھ چھاپ دیا۔ اس لیے ڈاکٹر ظفر احمد صدیقی کا فرض تھا کہ مقالہ لکھتے وقت اس نسخہ پر بھی تبصرہ کرتے۔

نسخہ مفتی انوار الحق صاحب مع مقدمہ ڈاکٹر بجنوری: نسخہ مفتی انوار الحق کا عیب یہ ہے کہ اس میں حاشیے کے اشعار کو اصل متن سے ملا دیا گیا ہے۔ اس لیے متن اور حاشیے کے اشعار گڈمڈ ہو گئے۔ مولانا عرشی نے اپنے نسخہ میں حاشیہ کے اشعار کو متن سے الگ کر کے پیش کیا ہے۔ اس طرح نسخۂ حمیدیہ کو چار محققین نے اپنے اپنے فکری زاویۂ نظر سے مرتب کیا اور اپنے خیالات سے اس کو مزین کیا۔ مذکورہ بالا چاروں نسخے نسخۂ حمیدیہ سے متفرع ہوئے ہیں۔ اس لیے جو شخص نسخۂ حمیدیہ پر قلم اٹھائے اس پر لازم ہے کہ وہ ان چاروں نسخوں کا مطالعہ کرے اور ان کا موازنہ اصل سے کرے۔ ڈاکٹر ظفر صدیقی صاحب کی یہ بڑی غلطی ہے کہ انہوں نے ان نسخوں سے تعرض نہیں کیا۔ اس لیے ہر قاری محسوس کر سکتا ہے کہ ڈاکٹر صدیقی کا مقالہ ناقص ہے، جب تک اصل نسخۂ حمیدیہ سے چاروں متفرع نسخوں کا تقابلی مطالعہ نہ کیا جائے۔

اس مقالہ میں دوسرا تسامح یہ ہے کہ ڈاکٹر ظفر صدیقی نے نسخہ حمیدیہ کے مفقود الخبر ہونے کے زمانہ میں عبدالقوی دسنوی اور دوسرے اہل نظر نے اس کی تلاش میں جو کوششیں کیں اس کی تاریخ پر وقت ضائع کیا جب کہ اصل نسخہ امریکہ سے ۲۰۱۵ء میں برآمد ہو گیا تو ان کی یہ جدوجہد لاطائل ہے۔ یعنی اتنی طویل تاریخ لکھنے کی چنداں ضرورت نہ تھی۔

ڈاکٹر صدیقی پر لازم تھا کہ وہ نسخۂ حمیدیہ کا موازنہ نسخۂ امروہہ سے کرتے۔ نسخہ امروہہ سب سے اہم اور سب سے پہلا دیوان ہے جو مکمل ہے اور انتخاب کلام سے قبل کا ہے۔ اس میں کلام بھی سب سے زیادہ ہے اور یہ سب سے پہلا دیوان ہے اس کی تاریخ تدوین بھی سب سے زیادہ قدیم ہے۔ یعنی ڈاکٹر صدیقی کی بڑی غلطی نسخۂ امروہہ کو نظر انداز کرنا ہے۔ دراصل یہ دیوان تو نسخۂ حمیدیہ سے بھی زیادہ اہمیت رکھتا ہے اور یہ پورا دیوان بخط غالب ہے کسی کاتب نے اس کو نقل نہیں کیا ہے بلکہ خود غالب نے اپنے قلم سے پورا دیوان نقل کیا ہے اور اس میں ۱۵ غزلیں اور ۱۱ رباعیاں بھی زیادہ ہیں۔ ذیل میں چند اہم دواوین کی تاریخ اور ان کے اشعار کی تعداد پیش ہیں جن سے نسخہ امروہہ کی اہمیت واضح ہو جائے گی پھر نسخۂ امروہہ میں مرزا اسداللہ کا تخلص پورے دیوان میں اسدؔ ہے، غالبؔ نہیں ہے۔

نسخۂ امروہہ ۱۸۱۶ء، تعداد اشعار ۲۶۵۴۔ نسخۂ حمیدیہ ۱۸۲۱ء، تعداد اشعار ۲۴۱۶۔ نسخۂ شیرانی ۱۸۲۶ء، تعداد ۲۰۷۸۔

ڈاکٹر صدیقی کے مقالہ کی تقصیر یہ ہے کہ اس میں غالب کے تمام اہم دیوان کے نسخوں کو نظر انداز کر دیا گیا ہے ان سے نسخہ حمیدیہ کا موازنہ نہیں کیا گیا، یعنی نسخۂ امروہہ کو چھوڑ دینا بہت بڑا تسامح ہے۔ اس لیے یہ دیوان نسخۂ حمیدیہ سے بھی پہلے کا ہے۔ دراصل یہ ماخذ و مرجع ہے نسخۂ حمیدیہ کا۔ نسخۂ حمیدیہ کی تصحیح نسخۂ امروہہ سے کی جا سکتی ہے۔

ایک بڑا تسامح نسخۂ شیرانی سے نسخۂ حمیدیہ کا موازنہ نہ کرنا ہے جو نسخہ حمیدیہ کی ڈیجیٹل کاپی امریکہ سے شائع ہوئی ہے اس میں جو عالمانہ مقدمہ مہر افشاں فاروقی نے لکھا ہے اس میں نسخہ حمیدیہ کا موازنہ تعمق کے ساتھ نسخۂ شیرانی سے کیا ہے، نسخہ شیرانی ۱۸۲۶ء کا مدونہ ہے۔

اسی طرح ڈاکٹر صدیقی صاحب نے اس عالمانہ مقدمہ سے بھی نفع نہیں اٹھایا جو نثار احمد فاروقی نے نسخۂ امروہہ پر لکھا ہے۔ مقدمہ ۴۰ صفحات پر پھیلا ہوا ہے، اس کا موازنہ نسخۂ حمیدیہ سے انہوں

نے کیا ہے چونکہ پروفیسر صدیقی صاحب کے سامنے پروفیسر نثار احمد فاروقی کا مقالہ نہیں رہا۔ فاروقی صاحب نے خود نسخۂ حمیدیہ پر ایک زبردست تبصرہ کیا ہے جس کا جواب دینا پروفیسر صدیقی پر لازم تھا مگر اس مقالہ کو نظر انداز کرنے کی وجہ سے پروفیسر صدیقی نے نثار صاحب کی یہ عبارت نہیں دیکھی کہ نسخۂ امروہہ، نسخۂ بھوپال کے مسودہ کا مسودہ ہے۔ (نقوش کا غالب نمبر، جلد دوم، مقدمہ نثار احمد فاروقی، دیوان غالب، نسخہ امروہہ، شائع کردہ نقوش، لاہور، ص ۲۵)

یہاں نثار فاروقی صاحب نے فاش غلطی کی ہے اس لیے کہ نسخۂ حمیدیہ ۱۸۲۱ء میں مدون ہوا اور نسخہ امروہہ ۱۸۱۶ء میں مدون ہوا، اس لیے جب ۱۸۱۶ء میں نسخۂ حمیدیہ کا وجود ہی نہ تھا تو اس سے اشعار اخذ کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ البتہ ۱۸۲۱ء میں نسخہ امروہہ یا بیاض غالب موجود تھی اسی لیے گمان غالب یہی ہے کہ نسخۂ امروہہ سب سے پہلا دیوان ہے جس کو غالب نے اپنے بیاض سے اپنا کلام اخذ کر کے جمع کیا اور اس کو دیوان کی شکل دی اور وہ کسی دوسرے دیوان سے ماخوذ نہیں ہے اور نہ اس کا کوئی ثبوت ملتا ہے۔

میرا معروضہ یہ ہے کہ پروفیسر ظفر احمد صدیقی صاحب نے جو بنیادی نصوص غالب پر تحقیق کیے ہیں ان کو نظر انداز کر دیا اور پروفیسر نثار احمد فاروقی نے ۴۰ صفحات پر مشتمل مقدمہ لکھا ہے اور نسخۂ امروہہ پر اور نسخہ حمیدیہ (عرشی) کے درمیان موازنہ کیا ہے اس کو نظر انداز کر دیا گیا اور اسی طرح نسخہ شیرانی اور نسخہ حمیدیہ کے درمیان جو تقابلی مطالعہ کیا ہے، مہر افشاں فاروقی نے کیا۔ اس سے بھی ڈاکٹر صدیقی نے تعرض نہیں فرمایا۔ ان پر واجب تو یہ تھا کہ غالب کے معروف دواوین سے نسخۂ حمیدیہ کا موازنہ کرتے جو مولانا امتیاز علی عرشی نے نواب رام پور کو اپنے دواوین بھیجے تھے، ان سے موازنہ کرتے رام پور کے قدیم اور جدید دواوین کو دیکھتے اور گل رعنا سے تقابلی مطالعہ کرتے۔ آخر میں ان تمام دواوین کی ایک فہرست مع سنین کے پیش کرتا ہوں تا کہ پروفیسر ظفر احمد صدیقی کو اندازہ ہو جائے کہ ان کے مقالہ میں بہت سے تسامحات اور ایسے موضوعات ہیں جو نسخۂ حمیدیہ سے متعلق ہیں خصوصاً وہ چار دواوین جو متفرع ہیں نسخہ حمیدیہ سے جن کا ذکر میں تفصیل سے کر چکا ہوں۔ اب میں ذیل میں نقوش غالب نمبر جلد دوم لاہور ۱۹۸۴ء سے نقل کرتا ہوں۔ یہ فہرست مولانا امتیاز علی عرشی نے تیار کی ہے جو مکمل ہے اور جو فہرست نثار احمد فاروقی نے نسخہ امروہہ میں پیش کی ہے وہ ناقص ہے۔

۱۔نسخۂ امروہہ یا نسخہ بیاض غالب	۱۸۱۶ء
۲۔نسخۂ حمیدیہ یا نسخۂ بھوپال	۱۸۲۱ء
۳۔نسخہ شیرانی لاہور	۱۸۲۶
۴۔انتخاب گل رعنا اردو۔فارسی	۱۸۲۹ء
۵۔نسخۂ رام پور قدیم	۱۸۳۳ء
۶۔نسخۂ لیاقت میوزیم کراچی	۱۸۳۸ء
۷۔نسخہ رام پور جدید	۱۸۵۵ء

اگر نسخۂ حمیدیہ عرشی۔نسخہ حمیدیہ سید عبداللطیف،نسخۂ حمیدیہ پروفیسر حمید احمد خاں اور نسخہ حمیدیہ مفتی انوار الحق مع مقدمہ ڈاکٹر بجنوری کو شامل کرلیا جائے تو دیوان غالب کے یہ دس نسخے بنتے ہیں اور عجیب بات یہ بھی ہے کہ شروع کے اہم ترین دواوین کے نسخوں میں چار یا پانچ برس کا فرق ہے یعنی نسخہ امروہہ ۱۸۱۶ء میں تیار ہوا اور نسخۂ حمیدیہ ۱۸۲۱ میں مدون ہوا اور نسخہ شیرانی ۱۸۲۶ء میں مکمل ہوا۔یہی تین دواوین زیادہ اہم ہیں،ان کے درمیان تقابلی مطالعہ روح غالب ہے۔اس کا حق ڈاکٹر صاحب نے ادا نہیں کیا۔

کلکتہ جاتے وقت غالب نے اپنا ایک دیوان حفاظت کے خیال سے ایک دوست کے پاس باندہ میں رکھ دیا تھا۔دوسرا دیوان وہ ہے جو انہوں نے کلکتہ میں انگریزی سرکار میں داخل کیا تھا،جس پر دو مہریں لگی تھیں۔اب وہ کہاں ہیں مجھے اس کا علم نہیں۔یہ ملحوظ رہے کہ جو پانچ دواوین غالب کی زندگی میں شائع ہوئے وہ انتخاب کلام کے تھے اگر نسخہ حمیدیہ اور نسخۂ امروہہ شائع نہ ہوتے تو قارئین غالب کے نصف کلام سے محروم رہ جاتے۔نسخۂ حمیدیہ غالب نے ۲۴ برس کی عمر میں مدون کیا تھا مگر نسخۂ امروہہ انہوں نے ۱۹/ برس کی عمر میں مکمل کیا۔دیکھیے مقدمہ ڈیجیٹل کاپی نسخۂ حمیدیہ از مہر افشاں فاروقی۔

دراصل اس موضوع پر لکھنے کی بڑی گنجائش ہے مگر پروفیسر ظفر احمد صدیقی نے بنیادی موضوع سے صرف نظر کر کے اپنے مقالہ کو تشنہ چھوڑ دیا ہے۔

فقط والسلام

ڈاکٹر سید احتشام احمد ندوی

ادبیات

تاثرات زائرارض حرم

جناب وارث ریاضی*

دیا ر شہہِ بحر و بر دیکھ آئے — مدینے کی شام و سحر دیکھ آئے
بڑی بے بسی میں مدینہ پہنچ کر — مقدر کو ہم اوج پر دیکھ آئے
خوشا جلوۂ تاج دارؐ مدینہ — چمکتے ہوئے بام و در دیکھ آئے
جہاں ہر طرف جھومتی ہیں بہاریں — وہ گل زارِ وحی و خبر دیکھ آئے
جہاں نور ہی نور خنداں ہے ہرسو — وہ فردوسِ شمس و قمر دیکھ آئے
جہاں سے گزرتے تھے آقا ہمارے — وہ دل کش، حسیں رہ گزر دیکھ آئے
سکوں دل کو ملتا ہے جس کی نظر سے — وہ تسکین قلب و نظر دیکھ آئے
رسول خداؐ کے رسالت کے جلوے — چمن در چمن منتشر دیکھ آئے
وہ رکنِ یمانی وہ میزاب رحمت — حطیم و مبارک حجر دیکھ آئے
بہ فیضِ جنابِ حبیبؔ[1] مکرم — مقامات خیر البشرؐ دیکھ آئے
زہے منظر اشک ہائے عقیدت — امنڈتی ہوئی چشم تر دیکھ آئے
تو اے اشک چشم وفا! اب تو تھم جا — کہ ہم جاں فزا مستقر دیکھ آئے
پھنسے ہم نہ دامِ خرد میں تو وارثؔ — جنونِ دعا میں اثر دیکھ آئے

---

[1] مراد مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی ہیں، جن کا پر فیض ساتھ ہر جگہ رہا۔

* کاشانۂ ادب، سکٹا دیوراج، پوسٹ بسوریا، وایالوریا، مغربی چمپارن، بہار۔ (Mob:8986132474)

مطبوعات جدیدہ

ائمہ اربعہ، حیات اور علمی وفقہی خدمات: از مولانا ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ وطباعت، مجلد مع گرد پوش، صفحات ۷۵۲، قیمت: ۴۲۵/روپے، پتہ: حق اکیڈمی، مبارک پور اعظم گڑھ اور دہلی ومبارک پور کے دیگر مکتبے۔

حضرات ائمہ اربعہ کے تذکرے اور ان کی خدمات کے تجزیے اردو میں کم نہیں، تاہم نئے انداز نظر اور نئے زاویہ فکر، ان سلسلوں کا حصہ بنتے رہتے ہیں اور قاری کے علم ومطالعہ میں اضافہ وافادیت کا باعث بھی ہوتے رہتے ہیں، زیر نظر کتاب بھی اسی سلسلۂ ذکر امامان کا قابل قدر حصہ ہے، جس میں قدرتاً امام اعظم کا ذکر، حصہ اعظم پر محیط ہے، عام سوانح کے ساتھ، امام صاحب کے تابعی ہونے اور حدیث، فقہ، اجتہاد، قانون اسلامی کی تدوین، آزاد عدلیہ کے قیام، فقہ حنفی کے اساسی اصول، تلامذہ، تصنیفات وغیرہ پر کچھ ایسے مباحث و معلومات بھی ہیں جن سے تازگی کا احساس ہوتا ہے، امام شافعی و مالک واحمد بن حنبل کے تذکرے میں بھی یہی خصوصیت نمایاں ہے، شروع میں اجتہاد وتقلید کے موضوع پر جو بحث ہے وہ قارئین کے لیے غالباً سب سے زیادہ مفید ہے اور موجودہ حالات میں جبکہ تقلید اور عدم تقلید کی بحث نے کہیں کہیں نزاع کی صورت اختیار کرلی ہے، مصنف کے خیالات ایک متوازن ومعتدل فضا قائم وسازگار کرنے میں معاون ہوسکتے ہیں۔ فاضل مصنف کی نظر تحقیق اب اہل نظر سے مخفی نہیں، ان کا اسلوب بھی علمی ہے، یہ کتاب ان کی اور کتابوں کی طرح اردو کے علمی ذخیرے میں عمدہ اضافہ ہے۔

کہاں میں اور کہاں مکہ مدینہ (حمد ونعت اور منظوم سفرنامہ): از جناب سیفی سرونجی، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ وطباعت، مجلد، صفحات ۱۶۸، قیمت: ۲۰۰/روپے، پتہ: سیفی لائبریری سرونج، مدھیہ پردیش اور نیا ورق، پوسٹ بکس نمبر ۵۰۳۰، چنچ بندر، ممبئی ۴۰۰۰۰۹۔

اردو کی ادبی وشعری دنیا میں جناب سیفی سرونجی معروف ہی نہیں مشہور بھی ہیں، ان کا رسالہ ''انتساب'' اپنے خاص شماروں کے لیے ممتاز ہے، تصنیفات کے لحاظ سے بھی وہ قابل رشک ہیں، لیکن اصل رشک تو ان کے زیر نظر منظوم سفرنامہ حج پر ہے، جس کے لیے پہلے ہی یہ جذبہ تھا کہ

تیرا لبوں پہ ذکر ہو تیری ہی بات ہو مکے میں حمد اور مدینے میں نعت ہو

پورا سفرنامہ حمد ونعت سے معمور ہے، شاعر کے جذبوں کی صداقت اور معصومیت پڑھنے والے کو عجب کیف سے آشنا کرتی جاتی ہے۔ یقیناً یہ سفرنامہ بار بار پڑھنے کے لائق ہے۔ ع۔ص

رسید کتب موصولہ

اتالیق بی بی، ایک تعارف، ایک جائزہ: چودھری محمد علی ردولوی، مرتب ومحشی ڈاکٹر انور حسین خاں، مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ، شمشاد مارکیٹ، علی گڑھ۔ قیمت=/۵۰ روپے

احتساب زندگی (سورۂ انبیاء کی روشنی میں): مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، ابراہیم بک ڈپو، مدرسہ ضیاء العلوم، رائے بریلی۔ قیمت=/۱۲۰ روپے

تصویر وطن: ڈاکٹر محمد طارق ایوبی ندوی، الحسنات بک ڈپو، دہلی۔ قیمت=/۱۸۰ روپے

تلاش حق کیوں؟: آفاق دانش، بزم روشن خیالاں، دہلی۔ قیمت=/۲۵۰ روپے

جنبش لب: ڈاکٹر فخر الاسلام نازش اعظمی، دار المصنّفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ۔

قیمت=/۳۰۰ روپے

رجال العرب والہند: ڈاکٹر محمد عتیق الرحمٰن، مرکز البحوث الاسلامیہ، گلشن عتیق، نیو عظیم آباد کالونی، پٹنہ-۶۔ قیمت=/۲۵۰ روپے

سلسلۂ رحمانی جعفری کے تین برگزیدہ اولیائے کرام: پروفیسر مقصود احمد، امرین بک ایجنسی، نزد کانچ کی مسجد، جمال پور احمد آباد، گجرات۔ قیمت=/۲۵۰ روپے

عالم اسلام: ڈاکٹر محمد طارق ایوبی ندوی، مکتبہ ندویہ، ندوۃ العلماء، لکھنؤ۔ قیمت=/۱۶۰ روپے

قاضی نجم ہری پوری اور قاضی جلال ہری پوری، فکر وفن: محمد رضوان ندوی، نور پبلی کیشن، دریا گنج، نئی دہلی-۲۔ قیمت=/۳۲۰ روپے

یاد مدینہ: حامد امروہوی، مرزا ساجد حسین، امروہوی محلہ سدو، امروہہ، یوپی۔ قیمت درج نہیں

تصانیف علامہ شبلی نعمانیؒ

سیرۃ النبیؐ جلد اول و دوم (یادگار ایڈیشن)	2000/-	موازنہ انیس و دبیر	100/-
سیرۃ النبیؐ		اورنگ زیب عالم گیر پر ایک نظر	100/-
(خاص ایڈیشن مکمل سیٹ ۷ جلدیں)	2200/-	سفرنامہ روم و مصر و شام	200/-
علامہ شبلی و سید سلیمان ندوی		کلیات شبلی (اردو)	220/-
مقدمہ سیرۃ النبیؐ	30/-	کلیات شبلی (فارسی)	45/-
الفاروق	300/-	مقالات شبلی اول (مذہبی)	100/-
الغزالی	200/-	مرتبہ: سید سلیمان ندوی	
المامون	175/-	مقالات شبلی دوم (ادبی) //	70/-
سیرۃ النعمان	300/-	مقالات شبلی سوم (تعلیمی) //	80/-
سوانح مولانا روم	80/-	مقالات شبلی چہارم (تنقیدی) //	200/-
شعر العجم اول	150/-	مقالات شبلی پنجم (سوانحی) //	150/-
شعر العجم دوم	130/-	مقالات شبلی ششم (تاریخی) //	90/-
شعر العجم سوم	125/-	مقالات شبلی ہفتم (فلسفیانہ) //	100/-
شعر العجم چہارم	150/-	مقالات شبلی ہشتم (قومی و اخباری) //	110/-
شعر العجم پنجم	120/-	خطبات شبلی مرتبہ: عبدالسلام ندوی	80/-
الانتقاد علی تاریخ التمدن الاسلامی	350/-	انتخابات شبلی مرتبہ: سید سلیمان ندوی	45/-
(محقق ایڈیشن) تحقیق: ڈاکٹر محمد اجمل ایوب اصلاحی		مکاتیب شبلی اول //	150/-
الکلام	250/-	مکاتیب شبلی دوم //	190/-
علم الکلام	200/-	شذرات شبلی مرتبہ: ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی	220/-

ISSN 0974 - 7346 Ma'arif (Urdu) -Print
October 2017 Vol - 200 (4)
RNI. 13667/57 **MA'ARIF** AZM/NP-43/019
Monthly Journal of
Darul Musannefin Shibli Academy
P.O.Box No: 19, Shibli Road, Azamgarh, 276001 U.P. (India)

شبلی صدی مطبوعات

۱۔ سیرۃ النبیؐ جلد اول ودوم (یادگار ایڈیشن)	علامہ شبلی نعمانی	2000/-
۲۔ شبلی کی آپ بیتی	ڈاکٹر خالد ندیم	325/-
۳۔ دارالمصنّفین کے سو سال	کلیم صفات اصلاحی	350/-
۴۔ شذرات شبلی (الندوہ کے شذرات)	مرتبہ: ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی	220/-
۵۔ الانتقاد علی تاریخ التمدن الاسلامی (علامہ شبلی نعمانی)	تحقیق: ڈاکٹر محمد اجمل ایوب اصلاحی	350/-
۶۔ محمد شبلی لائف اینڈ کنٹری بیوشنس	ڈاکٹر جاوید علی خاں	230/-
۷۔ حیات شبلی	علامہ سید سلیمان ندوی	650/-
۸۔ مولانا الطاف حسین حالی کی یاد میں	اشتیاق احمد ظلی	250/-
۹۔ حیات سعدی	تصنیف: خواجہ الطاف حسین حالی	400/-
۱۰۔ شبلی شناسی کے اولین نقوش	مرتبہ: ظفر احمد صدیقی	600/-
۱۱۔ شبلی ایک دبستان	آفتاب احمد صدیقی	250/-
۱۲۔ متاع رفتگاں	شاہ معین الدین احمد ندوی	200/-
۱۳۔ یہود اور قرآن مجید	مولانا ضیاء الدین اصلاحی	150/-
۱۴۔ رسائل شبلی	علامہ شبلی نعمانی	300/-
۱۵۔ اردو ترجمہ مکاتیب شبلی	ڈاکٹر خالد ندیم	110/-
۱۶۔ تاریخ بدء الاسلام (علامہ شبلی نعمانی)	مرتبہ: ڈاکٹر محمد اجمل ایوب اصلاحی	300/-
۱۷۔ مراسلات شبلی	ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی	150/-
۱۸۔ مطالعات شبلی	مرتبہ: اشتیاق احمد ظلی	550/-
۱۹۔ الفاروق (ہندی)	علامہ شبلی نعمانی	300/-
۲۰۔ الندوہ (جلد ۱۔۴)		2175/-
۲۱۔ الندوہ (جلد ۵۔۹)	زیر طبع	